804
ش ۲۲۴

تبصرہ

بر

تذکرہ پیرانِ پاگارا

مصنّف:
ابوالحسان قادری سنجھورو

Marfat.com

53548

نام کتاب	تبصرہ بر تذکرہ پیران پاگارا
مصنف	مولانا ابوالحسان قادری
پیش لفظ	مفتی محمد عبدالرحیم سکندری
تعداد	ایک ہزار
تاریخ اشاعت	مئی ۱۹۸۰ء
مطبع	اسلامیہ برقی پریس کراچی
ناشر	جمعیت علمائے سکندریہ
قیمت	

کتابت :۔ احقر زاہد حسین بھٹہ لاہور

03

Marfat.com

فہرست مضامین

عنوان	صفحہ
نذر بحضور	۵
پیش لفظ	۹
وجہ تالیف	۱۴
باب اوّل	۱۷
فصل اوّل	
مصنف تذکرہ پیران پاگارہ کا تعارف	
فصل دوم	۲۳
فاضل مقدمہ نویس عالم تذبذب میں	
فصل سوم	۲۵
مقدمہ نویس کی چشم پوشی	
فصل چہارم	۲۸
مقدمہ نویس الجھن میں	
فصل پنجم	۳۱
مقدمہ نویس کی عجیب منطق	
فصل ششم	۳۳
حضرت قبلہ پیر سائیں کی خدمت میں	
سید احمد کی حاضری۔	

عنوان	صفحہ
فصل ہفتم	۳۹
حر کی وجہ تسمیہ	
استاذ العلماء محمد صالح صاحب کا ارشاد	۴۰
باب دوم	۴۲
سید احمد کے جہاد کی حقیقت	
فصل اوّل	۴۳
مصنف تذکرہ کی غلط بیانیاں	
فصل دوم	۴۵
وہابیوں کے پروپیگنڈہ کی اصل وجہ	
فصل سوم	۴۶
مصنف تذکرہ کی غلط بیانیوں کا	
پوسٹ مارٹم	
فصل چہارم	۵۲
سید احمد کے سکھوں کے خلاف	
جہاد کی حقیقت	
فصل پنجم	۵۶
سید احمد کی تقیہ بازی	

Marfat.com

پیش لفظ

از حضرت العلام، فاضل نوجوان، ابو البیان ابو الفضل مفتی محمد عبد الرحیم صاحب سکندری سلمہ اللہ تعالیٰ
صدر جمعیت علمائے سکندریہ و مہتمم مدرسہ عالیہ صبغۃ الہدیٰ، شاہپور چاکر سندھ۔

نحمدہٗ و نصلی و نسلم علیٰ رسولہ الکریم ط

امّا بعد

کتاب "تذکرہ پیران پاگارہ" کی اشاعت سے قبل ہی اس کے مسودہ کو دیکھ کر یہ اندیشہ تھا کہ اس کی اشاعت سے خاندان عالیہ "راشدیہ" کے بارے میں بہت سی غلط فہمیاں پیدا ہوں گی اور حضرات پیران پاگارا کے متعلق عوام و خواص میں غلط تاثر قائم ہو گا۔

اس لئے کہ مصنف "تذکرہ پیران پاگارہ" نے خاندان راشدیہ و پیران پاگارہ کے متعلق بے بنیاد باتیں اور ان کی شان کے خلاف من گھڑت کہانیاں لکھیں اور سردار علی شاہ صاحب نے ان تمام غلط باتوں کی تائید و تصدیق کر دی ہے جب کتاب "تذکرہ پیران پاگارہ" کی کتابت ہو رہی تھی ان دنوں فقیر "ملفوظات پیر سائیں روضے دھنی علیہ الرحمۃ حصہ پنجم کی کتابت کرنے کے لئے کاتب مرحوم عظمت اللہ (محبوب پریس حیدر آباد) کے پاس پہنچا تو اس کے پاس "تذکرہ پیران پاگارہ" کا مسودہ رکھا تھا۔

فقیر نے اسے دیکھا تو اس میں قابل اعتراض اور غلط باتیں دکھائی دیں، فقیر نے درگاہ شریف حاضر ہو کر حضرت استاذ العلماء مولانا محمد صالح صاحب علیہ الرحمۃ سے عرض کیا کہ سردار علی شاہ صاحب ایک ایسی کتاب شائع کر رہے ہیں جو ایک وہابی نے لکھی ہے اور اس میں "خاندانِ عالیہ راشدیہ" کے بارے میں نامناسب اور غلط باتیں لکھی گئی ہیں۔ مثلاً یہ لکھا گیا ہے کہ: "قبلہ سید صبغت اللہ شاہ اول (تجر دھنی) علیہ الرحمۃ کو سید احمد نے

جہاد آزادی کا درس دیا، اور لکھا گیا ہے کہ سید احمد نے انگریزوں کے خلاف جہاد آزادی کا علم بلند کیا اور پیر صاحب نے اپنے پانچسو مرید اس کے حوالے کر دیئے تھے، نیز سید احمد اور اسماعیل دہلوی کو راہنما قرار دے کر حضرت قبلہ صبغت اللہ شاہ اوّل علیہ الرحمۃ اور تمام پیران پاگارہ کو ان کا مطیع اور پیرو ظاہر کیا گیا ہے، وغیرہ وغیرہ۔

حضرت استاد صاحب علیہ الرحمۃ نے اس پر بڑے رنج و افسوس کا اظہار کیا اور مجھے اور مفتی محمد رحیم صاحب (موجودہ مہتمم جامعۂ راشدیہ۔ پیر گوٹھ) دونوں کو چند کتابیں دے کر حکم فرمایا کہ یہ کتابیں بطور ثبوت سردار علی شاہ صاحب کو جاکر دکھائیں اور اس سے یہ کہیں کہ ان تاریخی کتابوں سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ سید احمد اور اسماعیل دہلوی وہابی تھے۔ انگریزوں کے نمکخوار، وفادار اور ایجنٹ تھے۔ ان کی تعریف و توصیف "تذکرہ پیران پاگارہ" میں شامل کرنا اور وہابیہ کے ان پیشواؤں کو حضرت پیر سائیں سید صبغت اللہ شاہ اوّل علیہ الرحمۃ کا استاد اور رہنما بتانا خلاف واقعہ، غلط اور "خاندان عالیہ راشدیہ" کی توہین کرنا ہے۔ اس لئے کتاب "تذکرہ پیران پاگارہ" میں سے ایسی باتیں نکال دی جائیں۔ اس کے علاوہ یہ لکھنا بھی قطعاً غلط اور بے بنیاد ہے کہ سید احمد اور اسماعیل دہلوی کے خیالات اور پروگرام سے قبلہ پیر سائیں متفق ہو گئے تھے یا انہوں نے اپنے خاص مریدین میں سے پانچسو مرید، ان کے نام نہاد جہاد میں حصہ لینے کے لئے سید احمد کے حوالے کر دیئے تھے، خاندان عالیہ راشدیہ کے خاندانی تذکروں، ملفوظات، مخطوطات اور کسی بھی تحریر میں ان باتوں میں سے کسی بات کا کوئی ذکر تک موجود نہیں۔ اور از روئے عقل بھی یہ کسی طرح باور نہیں کیا جاسکتا کہ حضرات "پیران پاگارہ" وہابیہ کے ہم خیال ہوں یا ان کی رہنمائی قبول کرلیں، اس لئے میری طرف سے سردار علی شاہ صاحب کو تاکید کردیں کہ ایسی فضول اور بے بنیاد باتیں "تذکرہ پیران پاگارہ" میں شامل نہ کی جائیں"

فقیر راقم الحروف اور مفتی محمد رحیم صاحب دونوں کتابیں لے کر حیدر آباد پہنچے، لیکن اتفاق سے اس دن سردار علی شاہ صاحب سے ہماری ملاقات نہ ہوسکی۔ چند یوم بعد مفتی محمد رحیم صاحب اکیلے ان سے جاکر ملے ان کو کتابیں دکھا کر حضرت استاد مولانا محمد صالح علیہ الرحمۃ کا پیغام پہنچایا۔ شاہ صاحب نے اس بات کو قبول نہ کیا اور کہا، اگر آپ کو کچھ اختلاف ہے تو آپ اختلافی نوٹ

Marfat.com

لکھ کر مجھ کو دے دیں ہم آپ کا یہ اختلافی نوٹ بھی اس کتاب میں شامل کر دیں گے۔"

مفتی محمد رحیم صاحب نے سردار علی شاہ صاحب کی یہ بات حضرت استاذی مولانا محمد صالح صاحب علیہ الرحمۃ کے گوش گذار کی تو آپ نے فرمایا، "یہ مناسب نہیں کہ ایک ہی کتاب میں تائید بھی اور تردید بھی شائع ہو" ہم نے استاد صاحب کے ارشاد کے مطابق کوئی بھی اختلافی نوٹ لکھ کر سردار علی شاہ صاحب کو نہ دیا اور شاہ صاحب نے نہ معلوم کس نقطۂ نظر کے تحت "تذکرہ پیرانِ پاگارہ" اسی صورت میں طبع کرا کر شائع کر دیا۔ اس کتاب کی اشاعت کے بعد حضرت مولانا محمد صالح صاحب علیہ الرحمۃ نے اس کتاب کو دیکھا تو بڑے غم و غصہ کا اظہار فرمایا اور فقیر کو حکم دیا کہ "آپ مولانا ابو الحسان حکیم محمد رمضان علی قادری سنجھورو والے کو میری طرف سے تاکید کر دیں کہ وہ کتاب "تذکرہ پیرانِ پاگارہ" میں مندرج غلط باتوں کی جلد تردید لکھیں تاکہ ہم اس کو خود شائع کرائیں"

واضح رہے کہ قبلہ استاذی مولانا محمد صالح صاحب علیہ الرحمۃ حکیم صاحب موصوف کو بہت پہلے سے جانتے تھے۔ ان کی علمی و ادبی قابلیت سے بخوبی واقف تھے۔ حکیم صاحب موصوف کی لکھی ہوئی کتب "تاریخ وہابیہ"، "تنویر الایمان" اور "تنویر البرہان" کو ملاحظہ فرما چکے تھے ان کی پرخلوص دینی خدمات کے اعتراف کے طور پر ان پر بے حد شفقت فرماتے تھے۔ حتیٰ کہ حکیم صاحب موصوف کی دعوت پر متعدد بار سنجھورو آ کر حکیم صاحب کے مکان میں قیام فرما چکے تھے اور جب حکیم صاحب درگاہ شریف کی حاضری کے لئے پیر گوٹھ جاتے تو آپ بذات خود ان کی مہمان نوازی فرماتے تھے۔ الغرض استاذی المحترم علیہ الرحمۃ کو حکیم صاحب موصوف پر بڑا اعتماد تھا۔

فقیر نے استاذی مولانا محمد صالح صاحب علیہ الرحمۃ کے حکم کی تعمیل میں حکیم صاحب موصوف کو بذریعہ خط استاد صاحب کا پیغام پہنچا دیا اور حکیم صاحب نے بکمال فرض شناسی اس اہم بالشان کام کو بطریق احسن پایۂ تکمیل تک پہنچا دیا۔ جس کے لئے حضرت پیر سائیں پاگارہ کی جماعت بالعموم اور جمعیت علمائے سکندریہ بالخصوص مولانا حکیم ابو الحسان محمد رمضان علی قادری کی بیحد ممنون و مشکور ہے لیکن افسوس کہ تبصرہ بر تذکرہ پیرانِ پاگارہ" کی تکمیل سے پہلے ہی استاذ العلماء مولانا محمد صالح صاحب

Marfat.com

انتقال فرما گئے اور تبصرہ کی اشاعت معرضِ التوا میں پڑ گئی۔

کتاب "تذکرہ پیران پاگارہ" کی اشاعت سے حضرت استاذنا المحترم مولانا محمد صالح صاحب علیہ الرحمۃ اور ہمارے خدشات صحیح ثابت ہوئے، چنانچہ مختلف علاقوں سے ہم پر سوالات کی بوچھاڑ شروع ہو گئی۔ خطوط کے ذریعے ہم سے پوچھا جانے لگا کہ۔ آیا قبلہ سید صبغت اللہ شاہ اول علیہ الرحمۃ وہابیہ کے پیشوا ابن عبدالوہاب نجدی کے پیرو۔ اور انگریزوں کے پٹھو سید احمد رائے بریلوی اور اسماعیل دہلوی کے ہم خیال و ہم مسلک تھے؟

کیا پیر صاحب قبلہ نے سید احمد اور اسماعیل دہلوی سے جہاد آزادی کے سلسلہ میں وہابی پیشواؤں سے رہنمائی حاصل کی تھی؟

کیا سید احمد نے پیر صبغت اللہ شاہ اول علیہ الرحمۃ کو جہاد کی راہ دکھائی تھی؟

کیا حضرت سید صبغت اللہ شاہ اول علیہ الرحمۃ نے سید احمد اسماعیل دہلوی کے نام نہاد جہاد سے کاملاً اتفاق فرما لیا تھا؟

کیا حضرت پیر صاحب پاگارہ نے اپنے خاص مریدین میں سے پانچسو مرید سید احمد وہابی کے حوالے کر دیئے تھے؟

نیز ایک صاحب نے بذریعہ خط فقیر سے نہایت سخت لہجہ میں سوال کیا ہے کہ "ہم نے ایک کتاب "تاریخ وہابیہ" پڑھی ہے جس میں آپ نے مقدمہ تحریر کیا ہے۔ اس کتاب میں سید احمد اور اس کے ساتھیوں کو کٹر وہابی اور انگریزوں کے ایجنٹ ثابت کیا گیا ہے اور یہ بھی لکھا گیا ہے کہ سید احمد اور اسماعیل دہلوی نے انگریزوں کی حکومت کو مستحکم کرنے کے لیے سکھوں کے خلاف "جہاد" کا ڈھونگ رچایا تھا اگر یہ باتیں درست ہیں تو قبلہ پیر سید صبغت اللہ شاہ اول علیہ الرحمۃ نے ان کا ساتھ کیوں دیا تھا؟ اور اگر پیر صاحب کا اقدام صحیح تھا تو پھر آپ نے "تاریخ وہابیہ" کی کیسے تصدیق کر دی اور مقدمہ بھی لکھ دیا"؟

نیز فقیر سے پوچھا جا رہا ہے کہ "بھیج پاگارہ" کے نعرے کا جو مطلب "تذکرہ پیران پاگارہ" میں لکھا گیا ہے کیا وہ صحیح ہے؟ حالانکہ پیر صاحب پاگارہ کے مریدین اس نعرے سے یہ مطلب لیتے ہیں کہ۔ اے پیر صاحب پاگارہ ہم پر آپ نظر کرم فرمائیں۔ پھر تذکرہ میں جو غلط لکھ گئی ہیں

Marfat.com

تو سردار علی شاہ نے جانتے بوجھتے ہوئے بھی کتاب "تذکرہ پیران پاگارہ" کی تائید و تصدیق کیوں کی اور ایسی کتاب کو کیوں شائع کر دیا"؟

اسی طرح کے مزید سوالات بھی ہم سے پوچھے گئے اور پوچھے جا رہے ہیں۔

الغرض! "تذکرہ پیران پاگارہ" کی اشاعت و تقسیم سے مسلمانانِ اہلسنت میں بالعموم اور پیر صاحب پاگارہ کی جماعت میں بالخصوص طرح طرح کی غلط فہمیاں پھیل رہی ہیں اور اس کتاب میں غلط باتیں مندرج ہونے کی وجہ سے تعجب حیرانی اور عجیب انتشار برپا ہے۔

اس حیرانی اور پریشانی کو دور کرنے کی خاطر یہ ضروری تھا کہ ان غلط باتوں کی ٹھوس تردید کر دی جائے اور صحیح صورت حال پیش کی جائے اور اسی ضرورت کے تحت حضرت استاذنا المحترم مولانا محمد صالح صاحب علیہ الرحمۃ کے ارشاد کے تحت حضرت العلام مولانا ابو الحسان حکیم محمد رمضان علی قادری مدظلہٗ نے کمال جرأتِ ایمانی کا مظاہرہ فرماتے ہوئے مکمل دیانت داری کے ساتھ "تبصرہ بر تذکرہ پیران پاگارا" تحریر فرمایا ہے۔

اگرچہ محترم حکیم صاحب موصوف نے بڑی حد تک تبسم چوہدری اور سردار علی شاہ کی غلطیوں کی نشاندہی فرما کر مناسب تردید فرما دی ہے تاہم "تذکرہ پیران پاگارہ" میں مندرج چند غلط باتیں مزید ایسی ہیں جنکی تردید بھی کر دینی چاہیے تھی۔ مثلاً "تذکرہ پیران پاگارا" میں لکھا گیا ہے کہ سید احمد نے پیر جو گوٹھ میں حضرت سید صبغت اللہ شاہ اوّل علیہ الرحمۃ سے ملاقات کی حالانکہ ان کے زمانے میں "پیر جو گوٹھ" کا وجود ہی نہ تھا۔ کیونکہ "پیر جو گوٹھ" شہر کو حضرت قبلہ پیر سید علی گوہر شاہ اصغر علیہ الرحمۃ (بنگلے دھنی) نے ۱۲۵۰ھ میں آباد کیا تھا اور سید احمد کی حضرت قبلہ سید صبغت اللہ شاہ اول علیہ الرحمۃ سے "پیر جو گوٹھ" میں ملاقات اور خدمت میں حاضری ۱۲۴۱ھ میں بیان کی گئی ہے۔ (تذکرہ ص ۱۲۱)

حضرت قبلہ پیر سید صبغت اللہ شاہ اول علیہ الرحمۃ کے زمانہ ۱۱۹۳ھ سے ۱۲۴۶ھ تک پیر جو گوٹھ وجود میں ہی نہیں آیا تھا۔ جس قصبہ میں حضرت پیر سائیں صبغت اللہ شاہ اول سکونت پذیر تھے اس کا نام "پرانی درگاہ" یا "گوٹھ رحیم ڈنہ کلہوڑو" تھا اسی قصبہ میں آپ کا وصال ۱۲۴۶ھ میں ہوا اور وہیں مدفون ہوئے لیکن ۱۲۵۰ھ میں جب دریا کی طغیانی کا خطرہ محسوس ہوا تو آپ کے صاحبزادے حضرت پیر سائیں سید علی گوہر شاہ اصغر علیہ الرحمۃ نے آپ کے تابوت کو وہاں سے منتقل کیا اور موجودہ درگاہ شریف

"پیر جو گوٹھ" میں دفن کیا اس حقیقت کے پیش نظر سید احمد کی حضرت پیر سائیں صبغت اللہ شاہ اول علیہ الرحمۃ سے "پیر جو گوٹھ" میں ملاقات کی داستان چہ معنے دارد !!!

نیز حروں کے مخصوص نعرے "بیعت پاگارہ" کی صحیح تشریح کردینا بھی ضروری تھا۔ کیونکہ مصنف تذکرہ نے کمال بددیانتی کے ساتھ اس نعرے کے معنے اور مطلب کو بگاڑ کر لکھا ہے اور جان بوجھ کر غلط معنے بیان کردیے ہیں۔

نیز "تذکرہ پیران پاگارہ" میں مزید ایسی فاش تضاد بیانیاں موجود ہیں جن کی نشاندہی اور اصلاح نہیں کی گئی شلاً "تذکرہ پیران پاگارہ" ص ۹۹ پر لکھا گیا ہے

الف۔ "آپ کا (یعنی حضرت سید محمد راشد روضے دھنی علیہ الرحمۃ کا) وصال ہوگیا اور آپ پرانی درگاہ شریف یعنی گوٹھ رحیم ڈنہ کلہوڑو میں مدفون ہوئے لیکن کچھ عرصہ بعد آپ کے پوتے حضرت سید علی گوہر شاہ نے دریا کی طغیانی کے خطرہ کو محسوس کرتے ہوئے آپ کا تابوت وہاں سے نکال کر ۶ ربیع الاول ۱۲۵۰ھ میں موجودہ نئی درگاہ میں دفن کیا"

تذکرہ نویس کی اس عبارت سے واضح ہوتا ہے کہ نئی درگاہ "پیر جو گوٹھ" کے بانی اور آباد کرنے والے حضرت پیر سید علی گوہر شاہ علیہ الرحمۃ ہیں اور وہی سب سے پہلے "پیر جو گوٹھ" میں آباد ہوئے تھے لیکن اس کے برعکس یہی تذکرہ نویس تبسم چوہدری اسی ص ۹۹ پر ہی لکھتا ہے کہ

"ریاست خیرپور میں کنگری نام ایک قصبہ ہے جس کو بادشاہ پور بھی کہتے ہیں یہ پیر گوٹھ کے نام سے بھی موسوم ہے اس میں سب سے پہلے پیر حزب اللہ شاہ آکر آباد ہوئے تھے"

ناظرین غور فرمائیں کہ تبسم چوہدری کی ان دونوں عبارتوں میں سے کونسی عبارت صحیح ہے اور کونسی غلط ہے؟ پہلی عبارت سے واضح ہوتا ہے کہ سب سے پہلے پیر گوٹھ میں آباد ہونے والے پیر سید علی گوہر شاہ علیہ الرحمۃ ہیں اور دوسری عبارت میں بیان کیا گیا ہے کہ اس میں سب سے پہلے پیر حزب اللہ شاہ آکر آباد ہوئے تھے۔ یعنی دونوں عبارتیں ایک دوسری کی واضح تکذیب کر رہی ہیں۔

پیر گوٹھ ۱۲۵۰ھ میں قائم ہو چکا تھا اور حضرت سید حزب اللہ شاہ علیہ الرحمۃ کا سن ولادت ۱۲۵۸ھ ہے بھلا آٹھ سال بعد تولد ہونے والا "پیر جو گوٹھ" میں سب سے پہلے آکر کیونکر آباد ہوگیا؟

ایں چہ بوالعجبی ست !!!

ب۔ (۱) حضرت سید علی گوہر شاہ اول آپ "تخلص اصغر ہے" کی وفات ۲۰ اپریل ۱۸۴۷ء میں ہوئی "تذکرہ ص ۱۲۵

(۲) مولوی سید نصیر الدین دہلوی جو حضرت سید احمد شہید کے خلفاء میں سے تھے اپنے رفقاء کے ساتھ ۲۔ اپریل ۱۸۵۳ء کو دہلی سے روانہ ہوئے ...... اور خیر پور ہوتے ہوئے یہ قافلہ حروں کے مرکز پیر جو گوٹھ پہنچا جہاں سابق سجادہ نشین اور تحریک کے بانی پیر صبغت اللہ شاہ اول کے سید صاحب سے مخلصانہ تعلقات تھے وہ وفات پا چکے تھے اور انکے جانشین پیر علی گوہر شاہ تھے لیکن جب مجاہدین پیر گوٹھ پہنچے تو پتہ چلا کہ پیر صاحب (علی گوہر شاہ) کچھ کیطرف دورے پر گئے ہیں اور پھر خبر آئی کہ وہ سورت اور احمد آباد چلے گئے۔ تذکرہ ص ۱۴۰

ناظرین غور فرمائیں کہ ۱۸۴۷ء میں حضرت پیر سائیں علی گوہر شاہ علیہ الرحمۃ کا وصال ہو گیا ہے لیکن تذکرہ نویس تبسم صاحب کا مجاہد مولوی سید نصیر الدین ۱۸۵۳ء میں حضرت پیر سائیں علی گوہر شاہ علیہ الرحمۃ سے پیر گوٹھ ملاقات کیلئے آیا مگر پیر صاحب دورے پر کچھ کیطرف تشریف لے گئے تھے۔ اس لئے ملاقات نہ ہو سکی۔ کسی نے سچ کہا ہے کہ جھوٹ کے پاؤں نہیں ہوتے۔

کیا حضرت پیر سائیں وفات سے چھ سال بعد دورے پر کچھ گئے تھے ؟!!

سچ ہے۔ ؎ جو چاہے آپ کا حسن کرشمہ ساز کرے۔

علاوہ ازیں مصنف "تذکرہ پیران پاگارہ" تبسم چوہدری نے تصوف کی تشریح میں مخدوم العالم حضرت قبلہ سید علی ہجویری المعروف به "داتا گنج بخش" علیہ الرحمۃ جو صوفیوں کے امام ہیں ان پر مودودی کو سبقت اور ترجیح دیتے ہوئے اس کی عبارت پہلے لکھی ہے، حالانکہ 'مودودی' بجائے خود تصوف اور طریقت کو ایک 'عجمی سازش' اور مذہب اسلام کے لیے 'افیون' قرار دینے والا شخص ہے۔ نیز 'مودودی' کی عبارت سے تصوف کی صحیح تعریف و تشریح بھی واضح نہیں ہوتی اس کی وجہ بھی تحریر کر دینی چاہیے تھی۔

میں امید کرتا ہوں کہ ان تمام باتوں پر دوسرے ایڈیشن میں سیر حاصل بحث کی جائے گی امید ہے کہ قارئین حضرات "تبصرہ بر تذکرہ پیران پاگارہ" کو پڑھ کر حقائق سے بخوبی واقف ہوں گے۔ آخر میں فقیر دست بدعا ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے حبیب اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے صدقے میں اس سعیٔ جمیل کو قبول فرمائے اور ہمارے محترم المقام حضرت العلام مولانا ابوالحسان القادری القریشی مدظلہ کو مزید احقاقِ حق و ابطالِ باطل کے لئے خدمت کرنے کی مزید توفیق

03

Marfat.com

رفیق فرمائے۔ آمین بجاہِ حبیبہِ الکریم علیہ التحیۃ والتسلیم۔

حررہ الفقیر محمد عبد الرحیم سکندری   شاہپور چاکر

(دستخط۔ فقیر عبدالرحیم سکندری)

مہتمم مدرسہ صبغۃ الہدیٰ وخطیب جامع مسجد غوثیہ۔ شاہپور چاکر۔ ضلع سانگھڑ

۱۲۔ ربیع الاول ۱۳۹۹ھ — بمطابق ۱۰ر فروری ۱۹۷۹ء

مہر

Marfat.com

وجہ تالیف

اَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

قَالَ اللّٰہُ تَعَالٰی کُوْنُوْا قَوّٰامِیْنَ بِالْقِسْطِ

فقیر الی الرحمٰن حکیم محمد رمضان علی قریشی قادری غفرلہٗ بمورخہ ۱۰ رمضان المبارک ۱۳۹۵ھ کو حضرت معین الملت مولانا محمد معین صاحب مہتمم جامعہ قادریہ رضویہ لائلپور کی معیت میں خطیب اہلسنت مولانا مفتی محمد عبدالرحیم صاحب سکندری مہتمم مدرسہ صبغتہ الہدیٰ شاہپور چاکر کے پاس بغرض ملاقات پہنچا تو وہاں ایک تازہ شائع شدہ کتاب "تذکرہ پیران پاگارہ" پر نظر پڑی جو تبسم چوہدری کی تصنیف ہے اور اسے مشہور صحافی جناب سردار علی شاہ صاحب نے شائع کیا ہے۔

روحانی کشش اور قلبی تعلق کے جذبہ کے تحت بڑے اشتیاق سے کتاب کو اٹھایا فرط عقیدت سے چوم کر آنکھوں سے لگایا اور گرد و پیش سے بے نیاز ہو کر کتاب کے مطالعہ میں منہمک ہو گیا۔

کتاب کے نام سے جیسا کہ ظاہر ہے توقع تھی کہ مصنف نے واجب احترام پیران پاگارہ کے سوانح حیات تحریر کئے ہوں گے ان کی دینی خدمات، ان کے علمی کمالات روحانی فیوضات و تصرفات۔ تعلیم اور ملفوظات پر مشتمل سلسلہ وار ذکر کیا ہوگا اور ان کے مجاہدانہ کارناموں کا بیان تاریخی حقائق کی روشنی میں کیا ہوگا۔ مگر یہ دیکھ کر تعجب کی انتہا نہ رہی کہ چابکدست مصنف نے نہایت ہوشیاری کے ساتھ غیر محسوس طور پر شکر میں زہر لپیٹ کر بھولے بھالے سنیوں کو نگلوانے کی خوب صورت کوشش کی ہے سنیت کے لباس میں وہابیت کو اجاگر کرنے کی دلکش انداز میں سعی فرمائی ہے۔ پر شکوہ الفاظ اور رنگین بیانی کے پردے میں تاریخ کو مسخ کرتے ہوئے حق و صداقت کا منہ چڑایا ہے۔

Marfat.com

ایسے لوگوں کو جو تمام عمر سلطنت برطانیہ کے وفادار، دشمن ملک وملت انگریزوں کے جاں نثار رہے ہیں انہیں سلطنت برطانیہ کے مخالف اور انگریزوں کے دشمن ثابت کرنے کی بھرپور جدوجہد کی ہے ان اشخاص کو جو ہمیشہ ملک وملت کے خلاف سرگرم عمل رہے ہیں ان کو مجاہدین ملک وملت قرار دے کر انصاف اور دیانت کا مذاق اڑایا ہے۔ کتاب میں جا بجا سید احمد بریلوی اور اس کے ساتھیوں کی بے جا قصیدہ خوانی کی گئی ہے۔

اصل مجاہدین ملک وملت کے تذکرہ میں وہابیہ کی نام نہاد تحریک جہاد کو نہ صرف یہ کہ جبراً ٹھونسا گیا ہے بلکہ سید احمد اور اس کے ساتھیوں کو تحریک آزادی کے بانی ٹھہرایا ہے انہیں ملک میں آزادی کی تمام تحریکوں کا روح رواں ظاہر کیا ہے۔ حتیٰ کہ شیرانِ بیشۂ حریت عظیم المرتبت پیران پاگارہ کا بھی انہیں راہنما بتانے کی جسارت کی گئی ہے اور بعض قائدین ملک وملت۔ قائدین مسلم لیگ اور بانیٔ پاکستان بابائے قوم قائداعظم محمد علی جناح کو بھی انہیں کے پیرو کہنے سے دریغ نہیں کیا گیا۔

مصنف تذکرہ بڑے اصرار کے ساتھ سید احمد بریلوی اور اس کے ساتھیوں کو آزادی کے علمبردار اور تحریک آزادی کے "ہیرو" قرار دے کر لکھتا ہے "آپ نے (سید احمد نے) انگریزوں اور سکھوں سے جہاد کے لئے مسلمانوں کو منظم کیا تاکہ حکومت الٰہیہ کے قیام کی راہ ہموار کی جائے .... اگرچہ آپ حکومت الٰہیہ قائم نہ کر سکے لیکن مسلمانوں کے سامنے فکر وعمل کی ایسی راہ متعین کر گئے جس پر چل کر بالآخر مسلمانان ہند نے ۱۹۴۷ء میں حکومت اسلامیہ پاکستان کی نعمت حاصل کر لی" (ص ۱۱)

؎ خامہ انگشت بدنداں ہے اسے کیا کہیئے!

حالانکہ تاریخی حقائق پکار پکار کر کہہ رہے ہیں کہ سید احمد، اس کے ساتھی اور ان کے متبعین از اول تا آخر دشمنانِ اسلام حکمران انگریز اور ہندو کانگریسی لیڈروں گاندھی، نہرو اور پٹیل وغیرہم کے وفادار اور نمک خوار رہے ہیں۔ مجموعی طور پر ہمیشہ مسلمانوں کے مفاد کے خلاف سرگرم عمل رہے ہیں

اور پھر یہ کوئی ڈھکی چھپی بات نہیں کہ سید احمد کے متبعین نے من حیث الجماعت ۱۸۵۷ء

Marfat.com

کی جنگ آزادی کے دوران غاصب و ظالم انگریزوں کا ساتھ دیا تھا اور تحریک پاکستان کے دوران یہی لوگ ہندو لیڈروں کا رتب تھا کران کے گن گاتے اور قیام پاکستان کے خلاف تقریر و تحریر اور اپنے عمل و کردار سے ایڑی چوٹی کا زور لگاتے رہے ہیں۔

پھر اس ڈھٹائی کا کیا علاج کہ موجودہ دور میں ان کے ہم مسلک و ہم مشرب وہابی انہیں آزادی کے علمبردار، تحریک آزادی کے روح رواں۔ تمام راہنماؤں کے راہنما اور ملتِ اسلامیہ کے پیشوا ثابت کرنے کی خاطر بڑے زور شور کے ساتھ جھوٹا پروپیگنڈا کرنے میں معروف ہیں۔ واقفانِ حال دیدہ وروں کی آنکھوں میں بھی دھول جھونکنے کی خاطر جھوٹ اور غلط بیانی کی پرزور آندھی چلا رہے ہیں۔

برعکس نہند نام زنگی کافور

مصنف تذکرہ کی غلط بیانیوں کو دیکھ کر فقیر کا دل تڑپ گیا۔ آنکھوں سے آنسو نکل آئے۔ فقیر نے حضرت معین الملت مدظلہ العالی اور حضرت مفتی صاحب سلمہٗ کی توجہ اس جانب مبذول کرائی تو انہوں نے بھی اس صورت حال پر انتہائی رنج و قلق اور افسوس کا اظہار کرتے ہوئے فرمایا کہ آپ اس تذکرہ پر تبصرہ لکھ کر صحیح صورتِ حال ظاہر کریں۔ تاکہ عوام و خواص پر حقیقت واضح ہو سکے۔ فقیر نے بھی اس امر کی اہمیت کے پیشِ نظر وعدہ کر لیا کہ انشاء اللہ العزیز تذکرہ پر تبصرہ ضرور لکھا جائے گا۔

چند روز بعد شاہپور چاکر سے حضرت مفتی صاحب کا نوازش نامہ ملا تحریر تھا کہ میں درگاہ شریف (پیر گوٹھ) حاضر ہوا تھا قبلہ رأس الافاضل، استاذ العلماء مولانا محمد صالح صاحب دامت برکاتہم نے فرمایا ہے کہ حکیم صاحب تذکرہ پیرانِ پاگارہ پر تبصرہ ضرور لکھیں۔ اور جلد لکھیں۔ نیز تبصرہ کے ساتھ عظیم البرکت حضرات پیرانِ پاگارہ کے مکمل و مفصل صحیح حالات و سوانح بھی ضرور بالضرور مرتب کریں تاکہ مفاد پرستوں کی پھیلائی ہوئی غلط فہمیوں کا ازالہ ہو سکے،، اس خط نے سمندِ شوق پر تازیانہ کا کام کیا اور اپنی کم علمی و بے بضاعتی کے باوجود توکلاً علی اللہ ثم علی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قلم سنبھال کر اس عظیم الشان کام کا آغاز کر دیا۔ وباللہ التوفیق وھو المستعان

Marfat.com

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

نحمدہ و نصلی علیٰ رسولہ الکریم اما بعد

باب اوّل

مصنف تذکرۂ پیران پاگارہ کا تعارف

(فصل اوّل)

زیر نظر کتاب "تذکرہ پیران پاگارہ" کے مصنف تبسم چوہدری صاحب کے متعلق سندھ کے مشہور صحافی جناب سردار علی شاہ صاحب "تذکرہ" کے مقدمہ میں تحریر فرماتے ہیں :- "تذکرہ پیران پاگارہ پہلی تصنیف ہے جسے ایک غیر جانبدار اور دیانت دار اہل قلم نے مرتب کیا ہے اور جس میں پاگارہ خاندان اور اس کی جماعت (حروں) کے صحیح حالات پیش کئے ہیں" (ص ۲) نیز لکھا ہے

"تذکرہ پیران پاگارہ کے مصنف نے پاگارہ خاندان کی تاریخ کو ایک حقیقت پسند مؤرخ کی حیثیت سے قلمبند کیا ہے حقائق پیش کرنے میں اجمال و اختصار کے باوجود بڑی تحقیق و تدقیق سے کام لیا ہے ہر روایت کو درایت کی کسوٹی پر پرکھا ہے اور ہر واقعہ کو مستند و معتبر حوالہ جات اور قطعی دلائل و براہین کے ساتھ بیان کیا ہے" (ص ۶۔۷)

نیز فاضل مقدمہ نویس نے متعدد مقامات پر مصنف کو حقیقت پسند اور محقق مصنف غیر جانبدار۔ دیانت دار اور مخلص وغیرہ کے خطابات سے نوازتے ہوئے نہایت شاندار الفاظ میں خراج تحسین پیش کیا ہے۔ فقیر کی نظر میں کسی اہل قلم مصنف کی تعریف و توصیف کی یہ انتہا ہے جو چوہدری تبسم صاحب کی گئی ہے اس سے ثابت ہوتا ہے کہ جناب سردار علی شاہ صاحب کو مصنف کے جذبۂ خلوص، ان کی غیر جانب داری، حقیقت پسندی اور تاریخی واقعات کی تحقیق پر مکمل اعتماد ہے اور وہ ان سے کلیتہً متفق ہیں اور تذکرہ میں مندرج تمام امور کو پورے خلوص اور یقین کے ساتھ مبنی برحق و صداقت تسلیم کرتے ہیں۔ لہٰذا۔ آئیے اب مقدمہ

Marfat.com

در کتاب پر ایک نظر ڈال کر دیکھیں کہ صحیح صورتحال کیا ہے۔

ملاحظہ ہو باب سوم (سید صبغۃ اللہ شاہ اوّل کا مجاہدانہ دور)

مصنف نے عنوان کے مطابق اس باب کا آغاز سید صبغۃ اللہ شاہ اوّل رحمۃ اللہ علیہ کے مجاہدانہ کارناموں کے تذکرہ کے بجائے بڑی حسن ادا کے ساتھ سید احمد رائے بریلوی کی تحریک اور اس کی جماعت وہابیہ کے تذکرہ سے کیا ہے اس لئے کہ سارے وہابی سید احمد اور اس کی جماعت کو تحریک آزادی کے بانی اور اولین ہیرو ثابت کرنے کی سر توڑ کوشش اور پر زور پروپیگنڈہ میں مصروف ہیں ان کے پروپیگنڈہ کی تان اس نکتہ پر آکر ٹوٹتی ہے کہ ملک و ملت کو انگریزوں اور سکھوں کی غلامی سے نجات دلانے کی خاطر سب سے پہلے سید احمد اور اس کی جماعت نے انگریزوں اور سکھوں کے خلاف علم جہاد بلند کیا۔ اور قیام پاکستان تک ان کے متبعین ہی تحریک آزادی کے روح رواں رہے ہیں لہٰذا حصول آزادی اور قیام پاکستان کا سہرا انہیں کے سر بندھنا چاہیے کہ اصل مجاہدین آزادی یہی ہیں ان کے علاوہ دوسرا کوئی بھی راہنما یا لیڈر قیام پاکستان کا بانی کہلانے کا مستحق نہیں بلکہ برصغیر کے تمام راہنماؤں اور لیڈروں کو آزادی کی راہ دکھانے والے اور آزادی کی راہ پر لگانے والے سید احمد رائے بریلوی، اسماعیل دہلوی اور ان کے متبعین (وہابی) ہی ہیں

الغرض ۱۸۵۷ء کی جنگ آزادی اور تحریک پاکستان میں حصہ لینے والے حکومت برطانیہ کے خلاف بے دھڑک جہاد کا فتویٰ دینے والے۔ مجاہدانہ شان کے ساتھ انگریزوں کے خلاف اعلان جنگ کرنے والے۔ آزادی کی خاطر تن۔ من۔ دھن کی بازی لگا دینے والے شیران اسلام مولانا فضل حق خیر آبادی۔ مفتی عنایت احمد کاکوروی۔ مولانا فیض احمد بدایونی۔ مولانا امام بخش صہبائی۔ مولانا رضی اللہ بدایونی۔ مولانا سید کفایت علی کافی مراد آبادی۔ مولانا سید مبارک شاہ رامپوری۔ مولانا سید احمد اللہ شاہ۔ پیران پاگارہ شریف ان کے خلیفہ پیر مولانا عبدالرحمٰن بھرچونڈی شریف عرف بھورل سائیں۔ پیر غلام مجدد سرہندی شکار پوری۔ سید محمد محدث کچھوچھوی۔ مولانا حکیم محمد نعیم الدین مراد آبادی، مولانا مفتی صاحب داد خان صاحب سلطان کوٹی۔ مولانا محمد قاسم مشوری صاحب۔ مولانا مصطفیٰ رضا خان بریلوی۔ صدر الشریعہ مولانا امجد علی۔ مولانا عبدالعلیم صدیقی میرٹھی۔ پیر زین الحسنات مانکی شریف پیر سید جماعت علی شاہ علی پوری۔ مولانا محمد علی جوہر۔ مولانا شوکت علی۔ مولانا عبدالحامد بدایونی

Marfat.com

مولانا عبدالغفور ہزاروی، مولانا سید ابوالحسنات، مولانا سید ابوالبرکات سید احمد قادری، مفکر اسلام علامہ اقبال۔ قائد اعظم محمد علی جناح۔ خان لیاقت علی خان، خواجہ ناظم الدین شبیر بنگال مولوی فضل الحق علیہم الرحمۃ وغیرہم اور ان کے پیرو مجاہدین اسلام جنہوں نے حصول آزادی کی خاطر بڑھ چڑھ کر جان و مال، جائیداد اور عزت و آبرو کی قربانیاں دی ہیں۔ پروپیگنڈہ باز وہابیوں کی نظر میں ان کی کچھ وقعت نہیں۔ یہ لوگ سید احمد اور اس کے ساتھیوں کے مقابلہ میں کسی کی حیثیت تسلیم کرنے کو تیار نہیں بلکہ ان کی سے کسی کا ذکر تک گوارا نہیں۔ اگر کسی کا طوعاً و کرہاً ذکر کریں گے بھی تو اس کے ساتھ ہی سید احمد کا نام چھلانگ در لگا دیں گے۔ کہ سب کے سب سید احمد اور اس کی تحریک کے مرہون منت اور اسی کے پیروکار تھے کہ سید احمد کی وجہ سے ہی تحریک آزادی پروان چڑھ سکی اور پاکستان قائم ہو سکا ہے۔ مصنف تذکرہ نے بھی دیگر وہابیہ کی طرح یہی ثابت کرنے کی کوشش کی ہے چنانچہ بسم چوہدری صاحب واشگاف الفاظ میں لکھتے ہیں "آپ نے (سید احمد نے) انگریزوں اور سکھوں سے جہاد کے لئے مسلمانوں کو منظم کیا تاکہ حکومت الہیہ کے قیام کی راہ ہموار کی جائے ...... اگرچہ آپ حکومت الہیہ قائم نہ کر سکے لیکن مسلمانوں کے سامنے فکر و عمل کی ایسی راہ متعین کر گئے جس پر چل کر بالآخر مسلمانان ہند نے ۱۹۴۷ء میں حکومت اسلامیہ پاکستان کی نعمت حاصل کر لی" (ص ۱۱۱)

نیز مصنف تذکرہ نے غلام رسول مہر کا ایک اقتباس نقل کیا ہے جس میں وہابیہ کی اعلیٰ قابلِ دید ہے۔ غلام رسول مہر لکھتا ہے "ان میں بلند ترین درجہ سید احمد شہید کی تحریک کو حاصل ہے جو خالص اسلامی بنیادوں پر اپنی نوعیت کی ایک ہی تحریک تھی" ذرا آگے چل کر لکھا ہے "سید شہید کی تحریک کے سلسلہ میں دو پہلو اور بھی غور طلب تھے۔ اوّل یہ کہ مسلمانوں کی اس جماعت نے اسلامیت اور آزادی کے لئے جہاد اس وقت شروع کیا جب یہاں اکثر گروہوں میں انتہائی افسردگی اور بے حسی طاری تھی ان کے درمیان حکمرانوں کی خوشنودی حاصل کرنے کیلئے ہنگامہ مسابقت بپا تھا یہاں تک کہ جہاد کی عزت و حرمت کے اندازہ شناس بھی بہت کم لوگ تھے[1]" (ص ۱۰۸، ۱۰۹)

حاشیہ [1]: غلط بیانی کی انتہا کر دی گئی ہے تاریخ گواہ ہے کہ حکمران انگریزوں کی خوشنودی حاصل کرنے والے یہی

نعروں تعلیوں کی حقیقت انشاء اللہ العزیز" سید احمد کی تحریک جہاد کی حقیقت کے حقیقت پوری طرح واضح کرے گا۔ سردست قارئین یہ دیکھیں کہ مصنف تذکرہ نے کس چابکدستی کے ساتھ شیران بیشۂ حریت پیران پاگارہ کی شان میں گستاخی کا مظاہرہ کیا ہے اس نے انگریزوں کے اولین وفادار و نمکخوار سید احمد کو حضرت قبلہ سید صبغت اللہ شاہ اول علیہ الرحمۃ پر ترجیح اور اولیت دی ہے اور یہ ظاہر کیا ہے کہ سید احمد مذکور پیران پاگارہ کا بھی راہنما تھا۔ مصنف تذکرہ لکھتا ہے "سرزمین سندھ میں تحریک مجاہدین کا ایک پودا حضرت سید احمد شہید نے بالاکوٹ جاتے ہوئے لگایا تھا جس کی آبیاری حضرت سید صبغت اللہ شاہ اول المعروف بہ پیر سائیں پاگارو نے کی اور اس کے جاں نثاروں نے اس کی پرداخت اپنی زندگی کا مقصد سمجھ کر کی اور یہ سلسلہ تقریباً ایک صدی تک اس سرزمین میں بڑی آب و تاب سے جاری رہا۔ حتیٰ کہ ۱۹۶۵ء اور ۱۹۷۱ء کے پاک و ہند کے معرکوں میں اس کی گونج نے سننے والوں پر دہشت طاری کر دی اور "بھیج پگارو" کے نعروں سے کافروں کے دل لرز اٹھے" (ص ۱۱۰)

فقیر کہتا ہے کہ سید احمد کی اس قدر قصیدہ خوانی سے مصنف تذکرہ کی تسلی نہیں ہوتی چنانچہ باب ششم کے آغاز میں وہ ایک قدم مزید آگے بڑھا کر لکھتا ہے "سرزمین سندھ کو یہ فخر حاصل ہے کہ اس نے مجاہدین آزادی کے علمبردار حضرت سید احمد شہید اور حضرت سید اسماعیل کے قدوم میمنت لزوم چومے اور ان کے چھوڑے ہوئے اثرات کو تقریباً ایک صدی تک اس شان سے زندہ و تابندہ رکھا کہ فرنگی حکمرانوں کے ایوان لرز اٹھے حضرت سید صبغت اللہ شاہ اول نے حضرت سید احمد شہید کی تحریک آزادی کا جو چراغ سندھ میں روشن کیا تھا اس کی ضو بڑھتے بڑھتے اس قدر پھیلی کہ اس سے برصغیر کی تاریخ کے اوراق جگمگا اٹھے اور انگریزوں کی آنکھیں چندھیا گئیں آزادی کے اس چراغ نے تیل کی جگہ حضرت سید

(بقیہ حاشیہ) کرنے والے لٹیرین اور سید احمد اسماعیل دہلوی اور ان کے ساتھی ہی تھے۔ غلام رسول مہر نے تاریخ کو مسخ کرنے کی مذموم حرکت کرتے ہوئے سید احمد اور اس کے ساتھیوں کے ناقابل معافی جرم کو در پردہ سکھوں کے سر تھوپنے کی کوشش کی ہے۔ صحیح صورت حال آئندہ اوراق میں ملاحظہ کریں۔ (مؤلف)

حضرت اللہ شاہ ثانی سے ان کا خون حاصل کیا اور صرف چار سال بعد ہی مسلمانوں کے خوابوں کی دنیا پاکستان قائم ہو گیا" (صفحہ ۲۰۳-۲۰۴)

مصنف تذکرہ کا اصل مقصد جو کہ اس کی تحریر سے ظاہر ہے یہی ہے کہ از اول تا آخر آزادی کا حقیقی علمبردار سید احمد رائے بریلوی ہے۔ اصل تحریک آزادی سید احمد کی تحریک ہے اور صحیح معنوں میں مجاہدین آزادی سید احمد کے متبعین (وہابی صاحبان) ہی ہیں۔ ان کے علاوہ جو کوئی بھی ہے انہی کا طفیلی ہے۔ خواہ وہ ۱۸۵۷ء کی جنگ آزادی میں ناناصاحب ظالم انگریز حکمرانوں کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر موت سے پنجہ لڑانے والے مجاہدین آزادی ہوں یا ہندوستان کے مختلف علاقوں میں آزادی کی تحریک چلانے والے قائدین ہوں یا صوبہ سندھ میں انگریز حکمرانوں کے چھکے چھڑا دینے والے، انگریزوں سے کھلی جنگ لڑنے والے پیران پاگارہ اور ان کے سرفروش حر مجاہدین ہوں یا ۱۹۶۵ء اور ۱۹۷۱ء کے پاک و ہند کے معرکوں میں بھارتی فوجوں سے مقابلہ کرنے والے حر ہوں یا حروں کے راہنما حضرت پیر شاہ مردان شاہ ثانی پیر صاحب پاگارہ۔ ان سب کے استاد، سب کے راہنما اور سب کے پیشوا سید احمد ہی ہیں، نعوذ باللہ من ذالک۔

یوں معلوم ہوتا ہے کہ مصنف تذکرہ کا اصل مقصد سید احمد کا تذکرہ لکھنا ہے۔ تذکرہ پیران پاگارہ برائے نام ہے تاکہ ان کے نام کے طفیل مصنف کا نام بھی ہو جائے اور اس کے ممدوح سید احمد رائے بریلوی کو بھی نیک نام بنایا جا سکے اسے کہتے ہیں ایک تیر سے دو شکار۔

نیز کتاب میں واجب الاحترام پیران پاگارہ کی مزارات اور متعلقہ مقامات کے فوٹو شامل کر کے پیران پاگارہ کے متوسلین و معتقدین کی سچی عقیدت سے ناجائز فائدہ اٹھانے کی بھی کوشش کی گئی ہے کہ وہ فرط عقیدت سے ہاتھوں ہاتھ کتاب خرید لیں۔ اس سے بھی خاص طور پر دو فائدے مطلوب ہیں۔ وہابیت کی تشہیر اور مالی منفعت یعنی ہم خرما و ہم ثواب

مصنف تذکرہ نے اس بات کو بڑے اصرار کے ساتھ دہرایا ہے کہ "تحریک ... ہندوستان کی وہ ناقابل فراموش تحریک ہے جس نے مسلمانوں میں جہاد کی روح پھونک دی تھی۔ برصغیر پاک و ہند کی آزادی میں عموماً اور پاکستان کی جدوجہد میں خصوصاً اس تحریک نے جو زندگی پیدا کی تھی، وہ رہتی دنیا تک کبھی فراموش نہیں کی جا سکتی۔ اس تحریک میں ہر قوم اور ہر خطہ کے مسلمانوں

Marfat.com

نے حصہ لیا اور سید احمد شہید اور شاہ اسماعیل شہید کی اس تحریک جہاد نے تقریباً ایک سو سال تک مجاہدوں کو آزادی کے لئے سرگرم پیکار کیا.......... ۱۸۳۱ء سے ۱۹۲۰ء تک جن جانبازیوں کی داستانیں (اس) برصغیر کے کونے کونے میں گونجتی رہی تھیں، ان کی صدائے بازگشت پاکستان کی صورت میں رونما ہوئی" (ص ۱۱)

پروپیگنڈہ باز رہ ہی شاید یہ سمجھ بیٹھے ہیں کہ جھوٹ کو متواتر دہرایا جائے تو وہ سچ بن جاتا ہے۔ اس لئے وہ اسی روش کو اپنائے ہوئے ہیں کہ جھوٹ بولو، خوب جھوٹ بولو۔ مسلسل جھوٹ بولو۔ جھوٹ کو اس قدر شدت کے ساتھ دہراؤ کہ لوگ تمہارے جھوٹ کو سچ سمجھنے لگیں۔ لیکن سپید کو سیاہ اور سیاہ کو سپید کہتے رہنے سے حقیقت کبھی بدل نہیں سکتی۔ حقیقت چھپ نہیں سکتی بناوٹ کے اصولوں سے۔ کہ خوشبو آ نہیں سکتی کبھی کاغذ کے پھولوں سے

مصنف تذکرہ نے مندرجہ بالا عبارت میں مزید ایک جدت پیدا کر کے یہاں تک لکھ مارا کہ "برصغیر پاک و ہند کی آزادی میں عموماً اور پاکستان کی جدوجہد میں خصوصاً اس تحریک نے جو زندگی پیدا کی تھی وہ رہتی دنیا تک کبھی فراموش نہیں کی جا سکتی" یہ لکھ کر مصنف تذکرہ نے سید احمد رائے بریلوی کو بانی پاکستان قائداعظم محمد علی جناح اور تحریک پاکستان کے تمام راہنماؤں اور ہندو کانگرس کے باپو گاندھی، نہرو، پٹیل وغیرہ سب کا پیشوا بنا ڈالا ہے۔ مصنف کے خیال میں تحریک کانگرس اور تحریک مسلم لیگ، سید احمد کی تحریک کی ہی شاخیں تھیں۔

یہ ہے مصنف تذکرہ کی حقیقت پسندی۔ جس پر فاضل نقد نویس نے اسے "محقق موصوف" کا خطاب عطا فرمایا ہے۔

گر ہمیں مکتب و ہمیں ملا ۔ کار طفلاں تمام خواہد شد

نیز مصنف تذکرہ کی یہ روش حد جنون تک دکھائی دیتی ہے کہ وہ عالی مرتبت پیران باگارہ اور حر مجاہدین کے متعلق جہاں کہیں شجاعت، پامردی، عزم و ہمت، حق گوئی، حق پرستی، جانبازی، انگریز دشمنی اور حریت پسندی کا ذکر آتا ہے۔ وہاں سید احمد اور اس کی نام نہاد تحریک جہاد کو خواہ مخواہ ٹھونسنے کی کوشش کر گزرتا ہے۔ اور یہ تاثر دینے کی کوشش کرتا ہے کہ پیران باگارہ اور حر مجاہدین کی تمام خوبیاں سید احمد ہی کی بدولت ہیں۔ لہذا تمام تعریفیں

53548

Marfat.com

سید احمد کو ہی سزاوار ہیں۔ لاحول ولا قوۃ الا باللہ العلی العظیم

مصنف تذکرہ جناب تبسم چوہدری صاحب نے اپنے اس طرزِ عمل سے صاف عیاں کر دیا ہے کہ وہ غیر جانبدار، حقیقت پسند، محقق مورخ اور منصف مزاج مصنف ہرگز نہیں ہیں بلکہ وہ صرف اور صرف ایک متعصب کٹر وہابی ہیں۔

فصلِ دوم۔ فاضل مقدمہ نویس عالمِ تذبذب میں

جناب سردار علی شاہ صاحب۔ مقدمہ میں مصنف تذکرہ کو شاندار خراجِ تحسین پیش کرنے اور انہیں ایک غیر جانبدار۔ دیانت دار اور حقیقت پسند مورخ قرار دینے کے باوجود متذبذب دکھائی دیتے ہیں۔ ایک طرف تو وہ مصنف کی غیر جانبداری۔ دیانت داری اور تاریخی واقعات کی تحقیق کو صحیح و درست تسلیم کرتے اور "تذکرہ" کو ایک متن متین کا مقام دے کر مکمل اعتماد کا اظہار کرتے ہیں اور دوسری طرف مصنف کی سید احمد رائے بریلوی اور اسماعیل دہلوی کے ساتھ حدِ غلو تک پہنچی ہوئی بے جا عقیدت سے مضطرب بھی نظر آتے ہیں۔

مصنف تذکرہ نے دیگر وہابی مصنفین کے نقشِ قدم پر چلتے ہوئے بھیڑ چال کا مظاہرہ کیا ہے اس نے بھی دیگر وہابیہ کی طرح سید احمد کو برصغیر پاک و ہند کی آزادی کی تمام تحریکوں کا "بابا آدم" قرار دیا ہے اور وہابیہ کی طرح سید احمد کو شیر بیشہ دین حضرت پیر سید صبغت اللہ شاہ اول علیہ الرحمۃ کا استاد و پیشوا بنایا ہے۔ چنانچہ وہ جھنجھلا کر لکھتے ہیں" اس موقعہ پر ایک اہم تاریخی غلطی کی اصلاح ضروری معلوم ہوتی ہے جس نے ہمارے بیشتر مصنفین و مورخین کو ایک عرصہ سے غلط فہمی میں مبتلا کر رکھا ہے اور اس کو بار بار دہرایا جا رہا ہے۔ لیکن اعتماد اور یقین کے ساتھ نہیں بلکہ تذبذب اور انتشار کے ساتھ اس قدر کہ مصنف خود ہی اپنے جال میں پھنس کر تضاد بیانی کا شکار ہو جاتا ہے اور اس کا نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ قاری بھی کوئی حتمی رائے قائم نہیں کر سکتا اور وہ بھی گومگو کے عالم میں رہتا ہے۔ کہا جاتا ہے کہ سندھ میں حریت پسندی کی داغ بیل سید احمد شہید نے ڈالی تھی اور ان ہی نے سید صبغت اللہ شاہ کو تبلیغ جہاد پر آمادہ کیا تھا۔ بعض مصنفین نے اس معاملہ میں اس قدر مبالغہ آرائی سے کام لیا ہے کہ وہ اعتدال کی حدود سے تجاوز کر گئے ہیں۔ یہ ایک بھیڑ چال ہے جو ہمارے اکثر مصنفین و مورخین نے اختیار

03

کر رہے ہے اور بغیر سوچے سمجھے ایک دوسرے کے نقشِ قدم پر چلے جا رہے ہیں۔ کسی نے بھی یہ زحمت گوارا نہیں کی کہ واقعات کو سامنے رکھ کر ان کا جائزہ لے اور خود بھی کوئی صحیح نتیجہ اخذ کرے اور اپنے قاری کو گومگو کی کیفیت سے نجات دلائے" (صفحہ ۲۰۔۲۱)

اس کے بعد وہ اپنے ممدوح تبسم چوہدری صاحب مصنف تذکرہ کے متعلق لکھتے ہیں "خود اس تذکرہ کے حقیقت پسند اور محقق مصنف بھی متذبذب نظر آتے ہیں اور اسی تذبذب نے ان کی تحریروں میں بھی تضاد کی سی کیفیت پیدا کر دی ہے" (صفحہ ۲۱)

تعجب ہے کہ جناب سردار علی شاہ صاحب مصنف تذکرہ کو متذبذب بھی قرار دیتے ہیں اور یہ بھی فرماتے ہیں کہ "اسی تذبذب نے ان کی تحریروں میں بھی تضاد کی سی کیفیت پیدا کر دی ہے" اور اس کے باوجود وہ مصنف تذکرہ کو حقیقت پسند اور محقق مورخ ہونے کا سرٹیفیکیٹ بھی عطا فرماتے ہیں۔ بھلا جو شخص انتشار اور تذبذب کا شکار ہو، مبالغہ آرائی سے کام لیتا ہو۔ بغیر سوچے سمجھے دوسرے مصنفین کے نقشِ قدم پر چلتا ہو، بھیڑ چال کا مظاہرہ کرتا ہو، واقعات کو سامنے رکھ کر ان کا جائزہ نہ لیتا ہو۔ خود بھی صحیح نتیجہ اخذ نہ کرتا ہو، اپنے قاری کو بھی گومگو کی کیفیت میں مبتلا رکھتا ہو اور اس کی تحریروں میں تضاد بھی پایا جاتا ہو۔ اسے غیر جانبدار، دیانت دار، حقیقت پسند اور محقق کیونکر قرار دیا جا سکتا ہے ؟!!

ہر کہ او خود گم است کرا رہبری کند۔

اس سے تو یہی ظاہر ہوتا ہے کہ فاضل مقدمہ نویس خود بھی تذبذب کے عالم میں ہے۔

جناب شیخ کا بہکا قدم یوں بھی ہے اور یوں بھی۔

جناب مقدمہ نویس نے اپنی طویل بحث میں مصنف تذکرہ کی متضاد عبارتیں نقل فرما کر اگر کچھ غلطی کی اصلاح فرمائی بھی تو صرف اس قدر کہ "سید صبغت اللہ شاہ نے اپنے افکار و نظریات کو جو سجادہ نشینی سے پہلے ان کے دل و دماغ میں پرورش پا رہے تھے سجادہ نشینی کے بعد (۱۸۱۷ء سے) جامۂ عمل پہنانا شروع کیا اور سید احمد شہید چھ برس بعد (۱۸۲۳ء سے) اس طرف متوجہ ہوئے تھے" (صفحہ ۲۳)

Marfat.com

اس کا مطلب یہ ہوا کہ جناب مقدمہ نویس کی نظر میں مصنف تذکرہ کی صرف یہی ایک غلطی دکھائی دی جو اس نے یہ لکھ کر ظاہر کر دی تھی کہ "سرزمین سندھ میں تحریک مجاہدین کا ایک پودا حضرت سید احمد شہید نے بالاکوٹ جاتے ہوئے لگایا تھا جس کی آبیاری حضرت سید صبغت اللہ شاہ اول المعروف بہ پیر سائیں پاگارہ نے کی اور ان کے بعد انکے جانشینوں نے ان کی پرداخت اپنی زندگی کا مقصد سمجھ کر کی" (ص۱۱۱)

جناب سردار علی شاہ صاحب کو تبسم چوہدری صاحب سے اختلاف صرف اس امر میں ہے کہ اس نے سید احمد کو سندھ میں تحریک آزادی کی داغ بیل ڈالنے والے اور حضرت قبلہ سید صبغت اللہ شاہ صاحب اوّل علیہ الرحمۃ کو تحریک آزادی کی ترغیب دینے والے لکھ کر سید احمد کو اوّلیت دی اور انہیں پیر صاحب پاگارہ کا راہنما قرار دیا۔ اور پیر صاحب پاگارہ کو ثانوی حیثیت دے کر انہیں سید احمد کا متبع اور پیرو ٹھہرایا ہے چنانچہ فاضل مقدمہ نویس نے مصنف تذکرہ ہی کی ص۱۱۹ کی دو عبارتوں اور تذکرۂ صوفیائے سندھ کے اقتباس (ص۱۱۹ ـ ۱۱۲) سے اس امر کی تردید کر دی اور پھر اصل حقائق پر غور فرما کر جو نتیجہ اخذ فرمایا وہ صرف یہ کہ "چھ برس کے فرق کو پیش نظر رکھتے ہوئے یہ باور کرنا عین قرین قیاس ہے کہ سید صبغت اللہ شاہ نے سندھ میں ۱۸۱۹ء میں تحریک آزادی کا آغاز کیا۔ اور سید احمد شہید نے ۱۸۲۵ء میں ہندوستان میں ان کا اتباع کیا۔ (ص۱۲۳)

اسے کہتے ہیں "کھودا پہاڑ اور نکلا چوہا"

شاہ صاحب موصوف کو لازم تھا کہ صرف اسی ایک غلطی پر گرفت فرمانے کی بجائے تذکرہ میں بیان کی گئی تمام باتوں کی نشاندہی فرما کر برملا تردید کر دیتے۔ لیکن چونکہ آپ نے جانتے بوجھتے ہوئے بھی ایسا نہیں کیا اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ آپ خود گومگو کے عالم میں ہیں اور تذبذب کا شکار ہو کر رہ گئے ہیں اور پھر خود بھی مصنف تذکرہ کی غلط بیانیوں کو دہراتے چلے گئے ہیں۔

فصل سوم۔ مقدمہ نویس کی چشم پوشی

مقدمہ کا بہ نظر غائر مطالعہ کرنے کے بعد فقیر اس نتیجہ پر پہنچا ہے کہ صاحب مقدمہ تاریخی حقائق سے یکسر بے خبر نہیں ہیں وہ بخوبی جانتے ہیں کہ سید احمد رائے بریلوی۔ اسماعیل دہلوی اور ان کی تحریک کا مطمع نظر انگریز دشمنی نہیں تھا۔ نہ یہ لوگ غاصب و ظالم انگریزوں کو دشمن سمجھتے تھے اور

Marfat.com

وہ انگریز ہی ان لوگوں اور ان کی جماعت کو اپنا دشمن سمجھتے تھے۔ حکمران انگریز ان کے پشت پناہ تھے۔ یہ انگریزی حکومت کے وفادار اور مددگار تھے۔ حکومت برطانیہ انہیں نوازتی تھی۔ یہ لوگ انگی حکومت کو خود اپنی حکومت قرار دیتے تھے۔ سید احمد اور انکے ساتھی برطانوی اقتدار کا خاتمہ نہیں چاہتے تھے ان کی تحریک، تحریک آزادی نہیں تھی۔ ان لوگوں نے سلطنت برطانیہ کے استحکام کی خاطر سکھوں کے خلاف نعرہ جہاد بلند کیا۔ ان لوگوں نے ہر وہ کام سرانجام دیا جس سے انگریزوں کو فائدہ پہنچ سکتا تھا حکمران انگریز ان کے کارناموں پر مطمئن ان سے بیحد خوش اور ان پر نہایت مہربان تھے۔ مسلک کے لحاظ سے یہ لوگ محمد بن عبدالوہاب نجدی کے پیرو، کٹر وہابی اور سیاسی طور پر جمہور مسلمانوں کے مخالف اور انگریزوں کے دوست تھے۔ یہ تمام باتیں ان کے کردار و عمل سے ثابت ہیں۔ فاضل مقدمہ نویس لکھتے ہیں " سید احمد شہید کا جہاد انگریزوں کے خلاف نہیں تھا وہ فقط سکھوں کے خلاف جہاد کا ارادہ رکھتے تھے" (ص ۲۲) ہر انصاف پسند اور حق پرست شخص کو یہ حق پہنچتا ہے کہ وہ جناب سردار علی شاہ صاحب سے یہ دریافت کرے کہ جب وہ جانتے اور اس کا اعتراف کرتے ہیں کہ سید احمد کا جہاد انگریزوں کے خلاف نہیں تھا تو پھر آپ نے یہ کس لئے لکھ دیا کہ " سید صبغت اللہ شاہ نے سندھ میں ۱۸۱۶ء میں تحریک کا آغاز کیا اور سید احمد شہید نے ۱۸۲۴ء میں ہندوستان میں ان کا اتباع کیا" صاحب موصوف کو چاہیے تھا کہ جہاں پر انہوں نے مصنف تذکرہ کی غلطی نکال کر یہ واضح کیا تھا کہ سندھ میں تحریک آزادی کا پودا لگانے والے سید احمد نہیں اور چھ سال پہلے یا بعد والا نکتہ بیان فرمایا تھا وہیں یہ بھی فرما دیتے کہ سید احمد نے انگریزوں کے خلاف اور ملک و ملت کی آزادی کی خاطر تحریک آزادی کا آغاز کیا ہی نہیں۔ لیکن غلطی کا نکالنا تو درکنار خود بھی اسی غلطی کا ارتکاب فرما دیتے ہیں۔

خامہ انگشت بدنداں ہے اسے کیا کہئے۔!

مزید لطف کی بات یہ بھی دیکھیے کہ مصنف تذکرہ بڑے اصرار کے ساتھ دہرا دہرا کر یہ دعویٰ کرتا ہے کہ سید احمد اور اس کے ساتھی انگریزوں کے دشمن تھے ان کی تحریک جہاد انگریزوں کے خلاف تھی مگر فاضل مقدمہ نویس ان کی غلط بیانی کی تردید کرنے کے بجائے سر تسلیم خم کئے ان کی تائید کرتے چلے جاتے ہیں۔ مصنف بڑے طمطراق کے ساتھ لکھتا ہے " سید احمد اور سید اسماعیل کے

Marfat.com

چھوڑے ہوئے اثرات سے فرنگی حکمرانوں کے ایوان لرز اٹھے۔ انگریزوں کی آنکھیں چندھیا گئیں (صـ۲۰۳-۲۰۴) نیز شبیر ہیشۂ حریت پیر سائیں پاگارہ اور انگریزوں کے وفادار سید احمد کو ایک ہی سطح پر رکھتے ہوئے صاف لکھا ہے "دونوں بزرگوں کا نقطۂ نظر ایک ہی تھا دونوں یہ چاہتے تھے کہ ہندوستان سے سکھوں اور انگریزوں کا اقتدار ختم ہو"۔ (صـ۱۱۹ پھر لکھا) "یہ جہاد مسلمانوں کو انگریزوں اور سکھوں کی غلامی سے نجات دلانے کے لئے کیا گیا تھا"۔ (صـ۱۲۴) نیز لکھا "سید احمد شہید کی تحریک مجاہدین نے باقاعدہ جہاد سے انگریزوں اور سکھوں کو خطرات سے دوچار کر دیا"۔ (صـ۱۲۲) اور غلط بیانی کی انتہا تک پہنچ کر یہاں تک لکھ دیا ہے کہ "سید احمد شہید نے ۱۸۲۴ء میں انگریزوں اور سکھوں سے جہاد کے لئے مسلمانوں کو منظم کیا" (۱۱۸)

نیز جنگ ۱۸۵۷ء کے غازیوں اور مجاہدوں کے شاندار کارناموں کا سہرا بھی زبردستی سید احمد اور اس کی نام نہاد تحریک جہاد کے سر باندھنے کی ناکام کوشش کرتے ہوئے صـ۱۲۵ پر لکھ مارا ہے کہ "سید احمد شہید کی تحریک کا ایک بہت بڑا مرکز پیر گوٹھ تھا"۔ یعنی ۱۸۵۷ء کی جنگ آزادی کے دوران بھی سید احمد کی ہی تحریک کام کر رہی تھی اور حضرت پیر صاحب پاگارہ، سید احمد کی تحریک کے ایک کارکن کی حیثیت سے داد شجاعت دے رہے تھے۔ حالانکہ صحیح صورت حال اس کے برعکس ہے۔ ۱۸۵۷ء کی جنگ آزادی کے دوران سید احمد کے متبعین وہابیہ نے مسلمانوں کے ساتھ مل کر انگریزوں کے خلاف لڑنے کی بجائے انگریزوں کی بھرپور مدد کی۔ یہ لوگ حکومت برطانیہ کی حمایت میں مجاہدین آزادی کے خلاف برسر پیکار رہے ہیں۔

تعجب ہے کہ فاضل مقدمہ نویس نے مصنف تذکرہ کی مذکورہ غلط بیانیوں کی تردید کیوں نہیں کی انہیں دو ٹوک واضح کر دینا چاہیے تھا کہ حضرت قبلہ سید صبغت اللہ شاہ علیہ الرحمۃ یقیناً سکھوں اور انگریزوں کا اقتدار ختم کر دینا چاہتے تھے۔ مگر سید احمد اور اس کے ساتھی انگریزوں کی حکومت کو مستحکم کر دینے کی خاطر سکھوں کے خلاف جہاد کا نعرہ لگا رہے تھے۔ تاکہ انگریزوں کی جانب سے مسلمانوں کی توجہ ہٹ جائے نیز سکھ بھی کچھ دب جائیں اور حکومت برطانیہ کو پورے اطمینان کے ساتھ برصغیر میں اپنے مضبوط قدم گاڑ دینے کا موقعہ مل جائے۔ مگر افسوس کہ جناب مقدمہ نگار صاحب حقیقت کا اظہار نہ کر سکے۔ معلوم نہیں کہ انہوں نے اس قدر چشم پوشی

Marfat.com

سے کام لینا کیوں ضروری تھا۔

مصلحت خویش خسرواں دانند

فصل چہارم: مقدمہ نویس الجھن میں

فاضل مقدمہ نویس لکھتے ہیں "بحیثیت مجموعی برصغیر میں حالات ایک ہی جیسے تھے اس لئے دونوں کے دل و دماغ میں ایک ہی جیسے خیالات ابھرے دونوں میں ایک ہی جیسی تڑپ پیدا ہوئی اور دونوں ایک ہی نہج پر سوچنے اور جدوجہد کرنے لگے" (ص ۲۱) اس کے آگے ص ۲۲ پر رقمطراز ہیں "سید احمد کا جہاد انگریزوں کے خلاف نہیں تھا وہ فقط سکھوں کے خلاف جہاد کا ارادہ رکھتے تھے اور سید صبغت اللہ شاہ انگریزوں اور سکھوں دونوں کے خلاف جہاد کو لازمی ٹھہراتے تھے کیونکہ دین اور وطن کو جو خطرہ سکھوں سے لاحق تھا وہی خطرہ بلکہ اس کہیں زیادہ انگریزوں کی طرف سے بھی تھا" شاہ صاحب موصوف کا یہ ارشاد پہلے ارشاد سے متضاد ہے۔ دوسری عبارت پہلی عبارت کی تردید کر رہی ہے۔ پہلی عبارت میں بیان فرمایا کہ دونوں کے خیالات، دونوں کی تڑپ اور دونوں کی سوچ میں کچھ فرق نہ تھا اور دوسری عبارت میں بیان فرمایا کہ دونوں کے خیالات دونوں کی تڑپ اور کی سوچ میں بہت بڑا فرق موجود تھا۔ قبلہ پیر صبغت اللہ شاہ اول علیہ الرحمۃ کے نزدیک سکھوں سے کہیں زیادہ خطرہ انگریزوں سے لاحق تھا اسلئے آپ انگریزوں کے خلاف جہاد کو لازم ٹھہراتے تھے اسکے برخلاف سید احمد کے نزدیک انگریزوں سے کوئی خطرہ نہ تھا اسلئے وہ انگریزوں سے جہاد کیخلاف تھا۔ فاضل مقدمہ نویس ص ۲۲ پر تحریر فرماتے ہیں "سید احمد شہید جس علاقہ (دہلی اور یوپی) میں رہتے تھے اسکو اور برصغیر کے اکثر علاقوں کو صرف انگریزوں سے خطرہ تھا۔ سکھوں کی ترکتاز دہلی اور یوپی کی طرف نہیں تھی بلکہ ان کی جولانگاہ پنجاب اور سرحد تک محدود تھی اور زیادہ سے زیادہ سندھ ان کی حریصانہ نگاہوں کی زد میں تھا" یہ غور کا مقام ہے کہ جس علاقہ میں سید احمد رہتے تھے [illegible] اور برصغیر کے اکثر علاقوں کو صرف انگریزوں سے ہی خطرہ تھا تو اس صورت میں سید احمد اور اس کے ساتھیوں کو لازم تھا کہ سب سے پہلے اپنے علاقوں کو انگریزوں کے خطرہ سے بچانے کی فکر کرتے۔ بقول وہابیہ اگر وہ حقیقۃً آزادی کے علمبردار تھے تو انہوں نے انگریزوں کے خلاف جہاد کا اعلان کیوں نہ کیا۔ آخر اس میں کونسی مصلحت تھی جس کے پیش نظر وہ اپنے علاقوں کا دفاع کرنے کے بجائے سکھوں کے خلاف نعرۂ جہاد لگا کر اپنے نام نہاد

Marfat.com

مجاہدین کے ہمراہ دور دراز علاقہ سرحد کی جانب کوچ کر گئے۔ اس سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ سید احمد کی انگریزوں سے ملی بھگت تھی۔ اس کی ساری تگ و دو انگریزوں کے تحفظ اور حکومت برطانیہ کے استحکام کی خاطر ہی تھی۔ دین اور وطن کی آزادی کی خاطر نہیں تھی۔ اس کے برخلاف حضرت پیر صبغت اللہ شاہ اول علیہ الرحمۃ انگریزوں کے خلاف جہاد کو لازم ٹھہراتے تھے۔ ثابت ہوا کہ سید احمد رائے بریلوی اور جناب پیر صاحب پاگارہ کے مابین خیالات، تڑپ، سوچ اور جدوجہد کے لحاظ سے بُعد المشرقین تھا۔ جناب سردار علی شاہ صاحب وضاحت فرمائیں کہ آخر انہوں نے کس بنا پر یہ لکھ دیا کہ

"دونوں بزرگوں کے دل، دماغ میں ایک ہی جیسے خیالات ابھرے دونوں میں ایک ہی جیسی تڑپ پیدا ہوئی اور دونوں ایک ہی نہج پر سوچنے اور جدوجہد کرنے لگے۔"

فقیر کی رائے میں سید احمد اور قبلہ پیر سید صبغت اللہ شاہ اول علیہ الرحمۃ کو ایک ہی سطح پر رکھنا۔ ایک ہی مقام دینا۔ دونوں کو ہم خیال ظاہر کرنا۔ ایک ہی جیسی تڑپ رکھنے والے قرار دینا اور دونوں کی سوچ اور جدوجہد کو یکساں بتانا سراسر ظلم ہے۔ حق و صداقت کے خلاف ہے اور حضرت سید صبغت اللہ شاہ اول علیہ الرحمۃ کی شان اعلیٰ میں گستاخی ہے توہین ہے۔

نعوذ باللہ من ذالک

کس قدر تعجب اور افسوس کا مقام ہے کہ فاضل مقدمہ نویس جیسے ہوشمند اور اچھے بھلے تعلیم یافتہ حضرات تک وہابیہ کے پروپیگنڈہ کا شکار ہو کر بغیر سوچے سمجھے ان کے نقش قدم پر چلے جا رہے ہیں اور یہ زحمت گوارا نہیں کرتے کہ واقعات کو سامنے رکھ کر ان کا جائزہ لیں اور خود بھی کوئی صحیح نتیجہ اخذ کریں اور اپنے قاری کو بھی گومگو کی کیفیت سے نجات دلائیں۔

مقدمہ کا مطالعہ کرتے ہوئے صاف طور پر محسوس ہوتا ہے کہ جناب سردار علی شاہ صاحب مصنف تذکرہ کی تصدیق و تائید کر کے شدید الجھن میں پڑ گئے ہیں اور اس کی تضاد بیانیوں میں تطبیق دینے کی کوشش میں خود بھی تضاد بیانیوں کی دلدل میں پھنس چکے ہیں اور اس دلدل سے نکل جانے کی جدوجہد میں دور از کار تاویلات کا سہارا لینے کے باوجود مزید پھنستے چلے جا رہے ہیں۔

قارئین غور فرمائیں۔ شاہ صاحب موصوف نے مصنف تذکرہ کی تصدیق و تائید کے جوش میں فرما دیا کہ دونوں بزرگوں (یعنی حضرت پیر سید صبغت اللہ شاہ اول علیہ الرحمۃ اور سید احمد) کے دل و دماغ

Marfat.com

میں ایک ہی جیسے خیالات ابھرے دونوں میں ایک ہی جیسی تڑپ پیدا ہوئی اور دونوں ایک ہی نہج پر سوچنے اور جدوجہد کرنے لگے۔" (ص۲۳) لیکن چونکہ وہ خود اس پر مطمئن نہیں تھے اور واقعات کے لحاظ سے یہ بات غلط تھی لہٰذا ص۱۲۱ پر یہ عبارت لکھ کر اس کی تردید کر دی

"سید احمد کا جہاد انگریزوں کے خلاف نہیں تھا وہ فقط سکھوں کے خلاف جہاد کا ارادہ رکھتے تھے اور سید صبغت اللہ شاہ انگریزوں اور سکھوں دونوں کے خلاف جہاد کو لازمی ٹھہراتے تھے۔"

اور پھر اس کے باوجود مصنف تذکرہ کے اس قسم کے دعوؤں کی تردید نہ فرمائی "سید احمد شہید نے ۱۸۲۴ء میں انگریزوں اور سکھوں سے جہاد کے لئے مسلمانوں کو منظم کیا" (ص۱۱۱) بلکہ خود بھی دوبارہ یہ لکھ کر "لیکن اصولی طور پر دونوں کا مقصد مشترک تھا دونوں کے پیش نظر دین اور وطن کا تحفظ تھا اس لئے دونوں کا مطمع نظر بھی ایک ہی تھا۔" (ص۲۵) اپنی تردید کردہ عبارت کو پھر سے بحال کر دیا۔

خامہ انگشت بدنداں ہے اسے کیا کہیئے!

اس کے علاوہ شاہ صاحب موصوف نے حضرت قبلہ سید صبغت اللہ شاہ اول علیہ الرحمۃ کی سید احمد کی مہمان نوازی اور امداد کرنے کی توجیہہ میں جو دلیل پیش فرمائی اس کے بیان میں وہ مزید تضاد بیانی کا شکار ہو گئے ہیں چنانچہ وہ ص۲۳ پر لکھتے ہیں "سکھوں کی ترکتازہ دہلی اور یوپی کی طرف نہیں تھی بلکہ ان کی جولانگاہ پنجاب اور صوبہ سرحد تک محدود تھی اور زیادہ سے زیادہ سندھ ان کی حریصانہ نگاہوں کی زد میں تھا"، یعنی سندھ کو سکھوں سے کوئی فوری خطرہ لاحق نہیں تھا۔ پھر ص۲۴ پر وضاحت فرمائی کہ "دین اور وطن کو جو خطرہ سکھوں سے لاحق تھا وہی خطرہ بلکہ اس سے کہیں زیادہ انگریزوں کی طرف سے بھی لاحق تھا" یعنی سندھ سمیت پورے ملک کو سکھوں کے مقابلہ میں انگریزوں سے زیادہ خطرہ لاحق تھا۔ اس کے بعد ص۲۴ پر ارشاد فرماتے ہیں "سید احمد شہید کی مدد کرنے سے سید صبغت اللہ شاہ کا ایک مقصد پورا ہوتا تھا یعنی سکھوں کی بڑھتی ہوئی طاقت کا استیصال۔ سکھوں کی طرف سے سندھ کو فوری خطرہ درپیش تھا۔"

Marfat.com

فاضل مقدمہ نویس تین باتیں بیان فرماتے ہیں

۱. سندھ کو سکھوں سے کوئی فوری خطرہ درپیش نہیں تھا۔

۲، سکھوں کے بجائے انگریزوں سے زیادہ خطرہ لاحق تھا۔

۳، سکھوں کی طرف سے سندھ کو فوری خطرہ درپیش تھا۔

ان تینوں میں سے کونسی بات صحیح ہے اور کونسی غلط ؟

کوئی تبلائے کہ ہم تبلائیں کیا۔!

فصل پنجم۔ مقدمہ نویس کی عجیب منطق

اسی ضمن میں جناب سردار علی شاہ صاحب لکھتے ہیں "اس دور میں اور آجکل کے دور میں بڑا فرق ہے اس زمانہ میں سیاست کی اس قدر گرم بازاری نہیں تھی جس قدر مذہبی عقائد و رحجانات پر توجہ دی جاتی تھی"۔ (ص ۲۴-۲۵) یعنی جس طرح آج کل کے سیاست دان ذاتی و گروہی مفاد ایکے مقابلہ میں مذہبی عقائد و رحجانات کو کچھ اہمیت نہیں دیتے مصلحتوں پر دین اور مذہبی عقائد کو قربان کر دیتے ہیں اس دور میں یہ بات نہیں تھی بلکہ اس دور میں مذہبی عقائد و رحجانات پر توجہ دی جاتی تھی مصلحتوں پر دین اور مذہبی عقائد کو قربان نہیں کیا جاتا تھا پھر اسکے آگے لکھتے ہیں "سید احمد شہید اور سید صبغت اللہ شاہ کے عقائد و رحجانات ایک دوسرے سے مختلف تھے۔ سید احمد شہید محمد بن عبدالوہاب نجدی سے متاثر تھے اور سید صبغت اللہ شاہ ایک روحانی پیشوا اور اہل سنت والجماعت کے راہنما تھے لیکن اصولی طور پر دونوں کا مقصد مشترک تھا دونوں کے پیش نظر دین اور وطن کا تحفظ تھا اس لئے دونوں کا مطمع نظر بھی ایک ہی تھا یعنی جہاد بالسیف، لہذا سید صبغت اللہ شاہ نے ان اختلافات سے چشم پوشی کر کے ایک بہت بڑے مقصد کے لئے خندہ پیشانی اور فراخ دلی سے سید احمد شہید کی حوصلہ افزائی فرمائی۔ اور اعانت کی جس سے ان کی اولوالعزمی اور عالی ظرفی کا ثبوت ملتا ہے" (ص ۲۵) یعنی ملکی و سیاسی حالات کے پیش نظر حضرت قبلہ سید صبغت اللہ شاہ علیہ الرحمۃ نے ایک روحانی پیشوا اور اہل سنت والجماعت کے راہنما ہونے کے باوجود سیاسی مصلحتوں کی خاطر مذہبی عقائد و رحجانات کو کچھ اہمیت نہ دی اور انہوں نے ابن عبدالوہاب نجدی کے پیرو سید احمد دہلوی سے تعاون کر کے سیاسی مصلحتوں پر مذہبی عقائد کو قربان کر دیا۔ فیا للعجب

Marfat.com

یوں محسوس ہوتا ہے کہ جناب سردار علی شاہ صاحب مصنف تذکرہ اور دیگر وہابیہ کی ہمنوائی کے جوش میں مدہوش ہو کر واجب الاحترام شیر اہلسنت مجاہد ملت قبلہ سید صبغت اللہ شاہ اول علیہ الرحمۃ کو ایسے امر شنیع کا مرتکب قرار دے بیٹھے ہیں جسے وہ خود اپنے بارے میں بھی گوارا نہیں کر سکیں گے یعنی "مداہنت فی الدین" یہ وہ حرکت ہے جسے کمتر درجہ کا سچا مومن بھی گوارا نہیں کر سکتا۔ چہ جائیکہ ایک عظیم المرتبت ولی اللہ اہل سنت و جماعت کے لاکھوں افراد کے مرشد و پیشوا اور مجاہدین فی سبیل اللہ کے راہنما کے بارے میں اس حرکت کو منسوب کیا جائے خدا جانے یہ عبارت تحریر فرماتے وقت سردار علیشاہ صاحب کس عالم میں تھے۔

مقدمہ نویس کی یہ عجیب منطق ہے جس کی رو سے وہ "مداہنت فی الدین" کو اولوالعزمی اور عالی ظرفی کا ثبوت قرار دیتے ہیں۔ تاہم فقیر کی رائے میں۔ جناب سردار علیشاہ صاحب سے حضرت پیر صاحب پاگارہ کی شان میں یہ گستاخی بقائمی ہوش و حواس ارادۃً سرزد نہیں ہو سکتی تھی نہ ہوئی بلکہ مصنف تذکرہ کی متضاد عبارتوں میں الجھ کر اور اس کے وہابیہ خیالات سے مرعوب و مغلوب ہو کر رواداری میں سوچے سمجھے بغیر لکھ بیٹھے ہیں اور یہی وہ بنیادی غلطی ہے جس کی اصلاح فرماتے ہوئے انہوں نے دیگر مصنفین و مورخین کو متنبہ فرماتے ہوئے لکھا ہے "یہ ایک بھیڑ چال ہے جو ہمارے اکثر مصنفین و مورخین نے اختیار کر رکھی ہے اور بغیر سوچے سمجھے ایک دوسرے کے نقش قدم پر چلے جارہے ہیں" (ص۲۱)

فاضل مقدمہ نویس نے مقدمہ تحریر فرماتے وقت پہلی اینٹ ہی ٹیڑھی رکھ دی تھی کہ انہوں نے یہ جانتے ہوئے بھی کہ سید احمد۔ اسماعیل دہلوی اور ان کے متبعین ابن عبدالوہاب نجدی کے پیروکار کٹر وہابی ہیں یہ لوگ انگریزوں کے دوست اور برطانوی حکومت کے وفادار اور نمکخوار تھے برطانوی اقتدار کے خلاف جہاد ان کے پروگرام سے خارج تھا) مصنف تذکرہ کی ہاں میں ہاں ملاتے ہوئے اسے ایک حقیقت پسند مورخ قرار دے دیا۔ اور اس کی تصنیف کو صحت کے اعتبار سے مستند اور متن متین تسلیم کیا اور پھر مصنف کی محض ایک غلطی کی نشاندہی کرنے اور چھ برس پہلے اور چھ برس بعد والی اصلاح پر اکتفا کر کے دوسری تمام غلطیوں اور تضاد بیانوں کو سند قبولیت بخشتے ہوئے اس کی متضاد اور خلاف حقیقت عبارتوں میں تطبیق دینے کی ناکام

Marfat.com

کوشش کرنے لگے۔ نتیجۃً خود بھی بھول بھلیوں میں الجھ کر تضاد اور انتشار کا شکار ہو گئے۔ اور ٹھوکروں پر ٹھوکریں کھاتے چلے گئے۔

خشت اول چوں نہد معمار کج
تا ثریا مے رود دیوار کج

فصل ششم، حضرت قبلہ سید صبغت اللہ شاہ اول علیہ الرحمۃ کی خدمت میں سید احمد کی حاضری

مصنف تذکرہ اور مقدمہ نویس نے حضرت سید صبغت اللہ شاہ اول علیہ الرحمۃ کی خدمت میں سید احمد رائے بریلوی کی حاضری کے واقعہ کو بنیاد بنا کر بڑے بڑے ہوائی قلعے تعمیر کئے ہیں۔ حضرت پیر صاحب پاگارہ نے اس کی جو مہمان نوازی فرمائی یا اسے مالی امداد سے نوازا اس سے وہابیہ یہ ظاہر کرنے کی ناکام کوشش کرتے ہیں کہ

۱: سید احمد رائے بریلوی، حضرت قبلہ پیر صاحب پاگارہ کے مخدوم اور راہنما ہونے کی حیثیت رکھتا ہے۔

۲: پیر صاحب پاگارہ نے سید احمد کی تحریک جہاد سے مکمل اتفاق کر لیا تھا

۳: آپ نے اسے مالی مدد بھی دی تھی، نام نہاد مجاہدین کو کپڑے سلوا کر دیئے تھے

۴: اپنے مریدوں کو سید احمد کے لشکر میں شامل کر کے سید احمد کے ہمرکاب کر دیا تھا۔ وغیرہ وغیرہ

مصنف تذکرہ نے صفحہ ۱۲۰ پر لکھا ہے "۱۷ ذیقعدہ ۱۲۴۱ھ کو حضرت سید اپنے غازیوں کے ساتھ پیر گوٹھ پہنچے وہاں سید صبغت اللہ شاہ کے مریدوں اور آپ کے بھائی نے مہمان نوازی اور خاطر و مدارت میں کوئی کسر باقی نہ چھوڑی دوسرے دن حضرت سید صبغت اللہ شاہ بھی وہاں تشریف لے آئے اور انہوں نے حضرت شہید اور ان کے غازیوں کو خود اپنے ہاتھوں سے کھانا کھلایا۔ تیسرے دن حضرت شہید نے نہایت اصرار کر کے اس تکلف سے روکا اور مجاہدین میں رسد تقسیم ہونے لگی۔ حضرت شہید پیر کوٹھ میں تقریباً تیرہ دن قیام فرما رہے اور

Marfat.com

اس کے بعد وہاں سے شکارپور کی راہ لی تاکہ بلوچستان اور افغانستان کی حدود کے ساتھ ساتھ پشاور تک پہنچ سکیں" اور صفحہ ۲۰۱۲۳ پر لکھا "حضرت سید صبغت اللہ شاہ حریت پسند مومن تھے اس لئے انہوں نے دینی حمیت کے تقاضوں کا احساس کرتے ہوئے حضرت سید شہید سے جہاد کے معاملے پر مکمل اتفاق کیا اور دونوں اس بات پر متفق ہو گئے کہ جہاد کر کے شمالی ہند کے مسلمانوں کو سکھوں کی غلامی سے نجات دلائی جائے۔ چنانچہ سندھ میں بھی ایک عظیم مہم کا آغاز کیا گیا اور مسلمانوں کو جہاد کی ترغیب دی جانے لگی۔ درزیوں کے ایک طائفہ کو بلا کر یہ حکم دیا کہ مجاہدین کے لئے جنگی لباس تیار کریں اور اپنے مریدوں اور جاں نثاروں کی ایک جماعت کو حضرت سید شہید کے ہم رکاب کر دیا۔ یہ پہلی جماعت تھی جو حُروں یعنی احرار کے نام سے موسوم ہوئی"

مصنف تذکرہ نے اپنے مخصوص انداز سے اپنے ممدوح سید احمد رائے بریلوی کو نمایاں کرنے اور اسے قبلہ سید صبغت اللہ شاہ اول علیہ الرحمۃ پر فوقیت دینے کی بڑی بھونڈی کوشش کر دکھائی ہے۔

حالانکہ بات درحقیقت صرف اس قدر ہے کہ سید احمد نے انگریزوں سے ساز باز کر لینے کے بعد حکومت برطانیہ سے اجازت حاصل کر کے کچھ ہمراہیوں کے ساتھ سرحد کی جانب کوچ کیا تو راستے میں جہاں کہیں سے چندہ ملنے کی امید دکھائی دی وہاں پہنچے اور سکھوں کے خلاف "جہاد" کی صدا لگا کر بھیک مانگتے گئے تھے اور یہ بھی غالباً یہ ظاہر کرنے کے لئے کہ ہم بے سرو سامانی کے باوجود جہاد کو نکلے ہیں۔ تاکہ لوگ کہیں اس حقیقت تک نہ پہنچ پائیں کہ یہ نام نہاد مجاہدین حکومت برطانیہ کے استحکام کی خاطر برطانوی حکام کی اجازت اور امداد حاصل کر چکنے کے بعد سرحد کو جا رہے ہیں کیونکہ حکومت برطانیہ کی جانب سے سید احمد اور اس کے ساتھیوں کو ان کی "سروس" کے معاوضہ میں ہر طرح کی مدد مل رہی تھی۔

جیسا کہ دیوبندی وہابیہ کے مایۂ ناز مولوی حسین احمد مدنی کا بیان ہے کہ "جب سید صاحب کا ارادہ سکھوں سے جنگ کرنے کا ہوا تو انگریزوں نے اطمینان کا سانس لیا اور جنگی ضرورتوں کے مہیا کرنے میں سید صاحب کی مدد کی" (نقش حیات مطبوعہ دہلی در ۱۹۵۴ء صفحہ ۱۲ ج ۲)

مگر سید احمد کی تمام تر احتیاط اور رازداری کے باوجود جو لوگ سیاسی صورت حال سے واقف تھے سید احمد کے سکھوں کے خلاف نعرۂ جہاد اور اس کی سرحد کو روانگی سے تاڑ چکے تھے کہ یہ لوگ انگریزوں کے آلہ کار بن چکے ہیں۔ ورنہ انگریزوں کے غاصبانہ تسلط سے آزادی حاصل کرنے کی جدوجہد کرنے کے بجائے دور دراز علاقۂ سرحد میں جاکر سکھوں سے جہاد کا اعلان! چہ معنے دارد؟!

غلام رسول مہر لکھتا ہے: "کاروں میں سید پورن شاہ ایک ممتاز بزرگ تھے سید صاحب کے حکم سے سید حمید الدین اور سید اولاد حسن نے ان سے ملاقات کی وہ سید صاحب سے ملاقات کے لئے آئے اور ایک بڑا بھینسا بطور نذر پیش کیا۔ انہیں سے معلوم ہوا کہ لوگ عام طور پر سید صاحب کو انگریزوں کا جاسوس سمجھتے ہیں اسی لئے بدکتے ہیں" (کتاب سید احمد شہید ص۲۹۸)

چنانچہ مختلف مقامات پر سے چندہ مانگتے ہوئے سید احمد اور اس کے ہمراہی جب پیر گوٹھ پہنچے تو حضرت پیر صاحب پاگارہ نے اپنی علو شان اور بلند حوصلگی کے مطابق ان کی آؤ بھگت اور مہمان نوازی فرمائی اور سندھ کی مہمان نوازی تو ویسے بھی مشہور و معروف ہے کسی بھی سندھی بھائی کے ہاں جو کوئی مسافر آجائے رسماً، رواجاً اور اخلاقاً وہ اس کی آؤ بھگت اور مہمان نوازی میں حتی المقدور پوری کوشش کر گذرتا ہے۔ سید احمد کے تعارف پر قبلہ پیر صاحب پاگارہ کو جب معلوم ہوا کہ یہ "سید" ہے اور اس کے ساتھیوں کی صورتیں بھی مومنانہ ہیں۔ تو عالی المرتبت پیر صاحب پاگارہ نے حدیث نبوی "اکرموا الضیف" کی تعمیل میں اگر قدرے گرمجوشی کے ساتھ انکی تکریم فرمادی اور اپنے دست مبارک سے انہیں طعام تقسیم فرمادیا تو بمصداق "تواضع زگردن فرازاں نکوست" یہ حرف پیر صاحب پاگارہ علیہ الرحمۃ کے اعلیٰ اخلاق اور انہی کی سرفرازی کا اظہار تھا۔ اس سے وہابیہ کا غلط مطلب نکالنا اور پھر اس پر بغلیں بجانا کہاں کی شرافت ہے؟

مصنف تذکرہ نے لکھا ہے کہ "تیسرے دن حضرت شہید نے نہایت اصرار کرکے اس تکلف سے روکا" فقیر کہتا ہے کہ سید احمد کا یہ اصرار "اصرار بزرگانہ" نہیں تھا۔ اصرار گدایانہ تھا۔ سید احمد صرف گدایانہ حیثیت سے ہی پیر صاحب پاگارہ کے دردولت پر حاضر ہوتا تھا۔ بس گدا گر تواضع کند خوئے اوست

مصنف تذکرہ بڑے دھڑلے کے ساتھ دعویٰ کرتا ہے کہ سید صبغت اللہ شاہ

Marfat.com

اول علیہ الرحمۃ نے سید احمد سے جہاد کے معاملہ پر کاملاً اتفاق کیا۔ چنانچہ سندھ میں بھی ایک عظیم مہم کا آغاز کیا گیا، حالانکہ مصنف کی دونوں باتیں بے بنیاد اور خلاف حقیقت ہیں۔ قبلہ پیر صاحب پاگارہ کا سید احمد کے نام نہاد جہاد سے کاملاً اتفاق کر لینا ایک انہونی سی بات ہے۔ اس لئے کہ شیر بیشہ حریت سید صبغت اللہ شاہ اول علیہ الرحمۃ سکھوں کے مقابلہ میں غاصب انگریزوں سے جہاد کو اولیت دیتے تھے۔ وہ جانتے تھے کہ ملک و ملت کو بڑھتے ہوئے برطانوی اقتدار سے حقیقی خطرہ لاحق ہے اور سکھ اپنی مختصر سی قوت کے ساتھ صرف پنجاب کی حدود تک محدود ہیں۔ لہٰذا حضرت پیر سائیں علیہ الرحمۃ ملک و ملت کی آزادی کی خاطر بڑے دشمن برطانوی اقتدار کے خلاف مسلح جدوجہد کی تیاری بہت عرصہ قبل ہی سے کر رہے تھے۔ اس کے برعکس وہابیہ کا ممدوح سید احمد انگریزوں کا حامی و مددگار تھا۔ برطانوی حکومت کا نمکخوار اور وفادار تھا وہ انگریزوں کی قوت کو اپنی قوت اور برطانوی حکومت کو اپنی حکومت قرار دیتا تھا لہٰذا انگریزوں کے خلاف مسلح جدوجہد کے لئے سید احمد کیونکر آمادہ ہو سکتا تھا؟ وہابیہ کا نام نہاد مجاہد اعظم سید احمد رائے بریلوی حکومت برطانیہ کے خلاف جہاد کا تصور تک نہیں کر سکتا تھا کیونکہ وہ حکومت برطانیہ کا ہی خود کاشتہ پودا تھا اس صورت حال کے موجود ہوتے ہوئے یہ کہنا کہ سید احمد اور قبلہ سید صبغت اللہ شاہ اول علیہ الرحمۃ جہاد کے معاملے پر کاملاً متفق ہو گئے تھے، دیوانے کی بڑ نہیں تو اور کیا ہے؟

صحیح بات یہ ہے کہ سید احمد اور قبلہ پیر سائیں علیہ الرحمۃ کے مابین جہاد کے سلسلہ میں کوئی تفصیلی گفتگو نہیں ہوتی تھی۔ اگر اس سلسلہ میں گفتگو ہوتی تو دونوں کے نظریات کا اختلاف ظاہر ہو جاتا سید احمد کے چہرہ کا نقاب اٹھ جاتا اور اس کی نام نہاد تحریک جہاد کی قلعی کھل کر رہ جاتی۔

سید احمد کے دل میں چور تھا وہ کھل کر جلیل القدر پیر سائیں علیہ الرحمۃ کے حضور بات کرنے کی جرأت نہیں کر سکتا تھا اور چونکہ سید احمد کے پیش نظر پیر سائیں علیہ الرحمۃ سے چندہ اور امداد کا حصول تھا۔ اس لئے بھی وہ ان کے سامنے اپنے مافی الضمیر کا اظہار نہیں کر سکتا تھا کہ کہیں اس کے برطانوی ایجنٹ یا نجدی وہابی ہونے کا راز ظاہر نہ ہو جائے اور دھکے کھا کر نکلنا پڑ جائے قرین قیاس یہی ہے کہ سید احمد نے دبی زبان سے مختصر الفاظ میں قبلہ پیر سائیں پاگارہ کے حضور سکھوں کے

03

Marfat.com

خلاف اپنے ارادۂ جہاد کا اظہار کر کے مدد کی درخواست پیش کی اور پیر سائیں علیہ الرحمۃ نے اپنی وسعت قلبی سے کام لیتے ہوئے بقول ان کے اسے کچھ مالی مدد مرحمت فرمائی اور اس کے ہمراہیوں کو بھی کپڑے سلوا کر دیدیئے۔ بس اتنی سی بات تھی جسے وہابیہ نے افسانہ کر دیا

واضح رہے کہ سید احمد اور اس کے ہمراہیوں پر داد و دہش کی عنایات خسروانہ کوئی انوکھی بات نہیں تھی۔ پیر سائیں کے دربار گہر بار سے روزانہ سینکڑوں سوالی اور محتاج لوگ فیض یاب ہوتے اور گوہر مقصود سے جھولیاں بھرتے رہتے تھے۔ موجودہ دور میں بھی پیر سائیں پاگارہ کا دربار عطا و بخشش کے لئے مشہور ہے وہاں اب بھی اپنے بیگانے کی تمیز کئے بغیر سب کے ساتھ اعزاز و اکرام کا برتاؤ کیا جاتا ہے اور حاجتمندوں کی حاجتیں پوری کی جاتی ہیں۔

یہ روش وہابیہ مصنفین اور ان کے مؤیدین کی کوتاہ نظری اور کم ظرفی کی علامت ہے کہ وہ سید احمد کے ساتھ پیر صاحب پاگارہ کے فیاضانہ برتاؤ کو غلط رنگ میں پیش کرتے ہیں۔ مصنف تذکرہ کی یہ بات بھی سراسر لغو اور غلط ہے کہ سید احمد کے کہنے پر حضرت پیر سائیں پاگارہ نے سندھ میں جہاد کی عظیم مہم کا آغاز کیا تھا

حضرت سید احمد صبغت اللہ شاہ اول علیہ الرحمۃ حقیقۃً مجاہد فی سبیل اللہ تھے۔ ان کے دل میں ملک و ملت کا صحیح درد موجزن تھا وہ سید احمد کے سندھ میں آنے سے بہت عرصہ قبل سے جدوجہد آزادی کا آغاز فرما چکے تھے اور مجاہدین کی تیاری میں مصروف تھے ان کے سامنے سید احمد کی کیا حیثیت کہ وہ عالی مرتبت مجاہد اعظم پیر سائیں پاگارہ کو درس جہاد دیتا ہے

ہر کہ او خود گم است کرا رہبری کند

مصنف مزید افسانہ طرازی کرتے ہوئے لکھتا ہے کہ پیر صاحب سید صبغت اللہ شاہ اول علیہ الرحمۃ نے اپنے مریدوں اور جانثاروں کی ایک جماعت کو سید احمد کے ہمرکاب کر دیا۔ یہ پہلی جماعت تھی جو حروں یعنی احرار کے نام سے موسوم ہوئی"

نیز سید سردار علی شاہ صاحب نہلے پر دہلا مارتے ہوئے لکھتے ہیں کہ "سید صبغت اللہ شاہ نے اپنے مریدین میں سے جہاد کیلئے پانچسو غازیوں کی ایک جماعت حرب و ضرب کے ساز و سامان سے لیس کر کے ساتھ کر دی، ملاحظہ

یہ ایک من گھڑت اضافہ ہے جو وہابیہ نے سید احمد اور اس کی نام نہاد تحریک جہاد کی داستان میں مزید رنگ بھرنے کی خاطر کیا ہے۔ مصنف اور مقدمہ نویس کا یہ طرز عمل کس قدر تکلیف دہ اور اذیت ناک ہے کہ ایک تو وہ مس خام کو کندن بنانے کی ناکام کوشش کرتے ہیں اور پھر مس خام کو کیمیا پر فضیلت اور برتری دینے کی جسارت سے بھی باز نہیں رہتے۔ یوں معلوم ہوتا ہے کہ وہابیہ کے دل و دماغ پر ایک جنون سوار ہے کہ خواہ کتنے ہیر پھیر کرنے پڑیں یا تاریخ کے کتنے ہی واقعات کو توڑنا مروڑنا پڑے۔ گروہ وہابیہ کی پیشانی پر لگے ہوئے "ملک و ملت سے غداری اور انگریز کی وفاداری" کے انمٹ داغ کو مٹانا ضرور ہے لیکن اس کا کیا علاج کہ ہے

سیاہی کو سیاہی سے دور نہیں کیا جا سکتا

قبلہ سید صبغت اللہ شاہ اول علیہ الرحمۃ کی خدمت میں سید احمد کی حاضری کے واقعات میں رنگ آمیزی اور مبالغہ آرائی سے اگرچہ وہابیہ کا مقصد سید احمد کے لئے اعزاز واکرام کا جواز ثابت کرنا اور اس کی نام نہاد تحریک جہاد کے لئے سند جواز پیدا کرنا ہے۔ لیکن یہ لوگ رنگ آمیزی اور مبالغہ آرائی کرتے ہوئے اس قدر بے قابو ہو جاتے ہیں اور حد سے بڑھ جاتے ہیں کہ بات بات پر قبلہ پیر صاحب پاگارہ کی شان کو کمتر اور سید احمد کے مقام کو برتر ظاہر کرنے کی حماقت کرنے لگتے ہیں۔ چنانچہ ایک طرف تو مصنف تذکرہ کا یہ دعویٰ ہی بے بنیاد اور غلط ہے کہ پیر صاحب پاگارہ نے اپنے مریدوں اور جانثاروں کو سید احمد کے نام نہاد مجاہدین میں شامل کر دیا تھا۔ اور دوسری طرف مصنف کا انداز بیان انتہائی گستاخانہ ہے کہ پیر صاحب پاگارہ کے متعلق لکھا کہ اپنے مریدوں اور جانثاروں کی ایک جماعت کو حضرت سید شہید کے ہمرکاب کر دیا، گویا کہ حضرت پیر صاحب پاگارہ خادم ہیں اور نام نہاد مجاہد سید احمد ان کا مخدوم ہے۔

فاضل مقدمہ نویس کو لازم تھا کہ جس طرح انہوں نے مصنف کی ایک غلطی کی اصلاح فرماتے ہوئے چھ سال کی تقدیم وتاخیر والا نکتہ بیان کیا تھا اسی طرح اس مقام پر بھی اس کی گستاخی پر احتجاج کرتے اور اس کی غلط بیانی کی واضح الفاظ میں تردید اور مذمت

Marfat.com

کرتے مگر کس قدر رنج و افسوس کا مقام ہے کہ جناب سردار علی شاہ صاحب نے احتجاج۔ مذمت یا تردید کرنے کے بجائے مصنف کی تصدیق و تائید کرتے ہوئے سید احمد کے ہم کاب کئے جانے والوں کی تعداد بھی متعین فرما دی ہے

ناطقہ سر بگریباں ہے اسے کیا کہیئے!

مصنف تذکرہ یا اس کے مصدّق و مؤید مقدمہ نویس کے پاس اس امر کی کوئی دلیل یا ثبوت ہے تو پیش کریں کہ سید صبغت اللہ شاہ اول علیہ الرحمۃ نے اپنے پانچسو مریدوں کو سید احمد کے نام نہاد مجاہدین میں شامل کر دیا تھا۔ کوئی بھی دعویٰ بلا دلیل قابل قبول نہیں ہو سکتا

هاتوا برهانكم ان كنتم صادقين

فصل ہفتم۔ حُر کی وجہ تسمیہ

مصنف تذکرہ کا دعویٰ ہے کہ سید صبغت اللہ شاہ اوّل نے ”اپنے مریدوں اور جانثاروں کی ایک جماعت کو سید احمد کے ہمرکاب کر دیا۔ یہ پہلی جماعت تھی جو حروں یعنی احرار کے نام سے موسوم ہوئی“

اور مقدمہ نویس نے اس کی تصدیق و تائید کرتے ہوئے تحریر فرمایا کہ ”سید صبغت اللہ شاہ کے پانچسو مریدین کی جو جماعت سید احمد کے ساتھ جہاد کے لئے روانہ ہوئی اسے جماعت ”احرار“ کا خطاب دیا گیا اور اس کے بعد پاگارہ خاندان کے مریدوں کو ان کی جانبازی اور جانثاری کی وجہ سے حر کہا جانے لگا“ (ص۱۰) مصنف تذکرہ اور اس کے مؤید و مصدّق مقدمہ نویس کا یہ دعویٰ اگر بالفرض صحیح ہے تو سوال پیدا ہوتا ہے کہ سید احمد کے معتبر سوانح اور تذکروں میں جیسے تاریخ عجیب وغیرہ ان کا ذکر کیوں نہیں ملتا۔ نیز یہ کہ صرف پیر صاحب پاگارہ کے دیئے ہوئے مریدوں کو ہی حر کا خطاب کیوں دیا گیا؟ سید احمد کے دیگر ساتھیوں کو بھی حر کیوں نہ کہا گیا جب کہ انہیں میں شامل ہونے کی وجہ سے ہی مریدان پاگارہ کو حر کے خطاب سے نوازا گیا تھا۔ نیز جناب سردار علی شاہ صاحب فرماتے ہیں کہ ”اس کے بعد پاگارہ خاندان کے مریدوں کو ان کی جانبازی اور جانثاری کی وجہ سے حُر کہا جانے لگا“ حالانکہ حقیقت یہ ہے کہ حضرت پیر سید صبغت اللہ شاہ صاحب علیہ الرحمۃ (الخ) کے دور سے پہلے پوری تاریخ خاندان راشدیہ میں حُر نام کہیں نہیں ملتا

قبلہ پیر صبغت اللہ شاہ اول علیہ الرحمۃ کے پوتے پیر حزب اللہ شاہ تخت دھنی علیہ الرحمۃ ہی کے دور میں مریدان پاگارہ نے خود کو حُر کہلانا شروع کیا اور پھر اسی عرفی نام سے معروف و مشہور ہوئے اگر وہابیہ کی یہ بات صحیح ہوتی کہ قبلہ پیر صبغت اللہ شاہ صاحب اول علیہ الرحمۃ کے دور میں مریدان پاگارہ کو حُر کا خطاب دیا گیا تھا تو سلسلہ راشدیہ کی کسی تحریر میں اس کا ثبوت ملنا چاہیے تھا جب کہ بانی خاندان راشدیہ شیخ المشائخ پیر محمد بقا شاہ شہید قدس سرہٗ سے لے کر پیر سید علی گوہر شاہ علیہ الرحمۃ کی وفات (۱۲۶۳ھ) تک کم و بیش اسی سال کی طویل مدت کے دوران خاندان راشدیہ کے کسی بزرگ کے ملفوظات و مکتوبات میں اپنے مریدین کیلئے حُر کا نام و نشان تک نہیں ملتا۔

علاوہ ازیں خود وہابیہ کے مشہور مصنفین و مورخین مثلاً مرزا حیرت دہلوی، مولوی عبید اللہ سندھی، مسعود عالم ندوی۔ ابوالحسن ندوی وغیرہم جو سید احمد رائے بریلوی، اسماعیل دہلوی اور ان کی تحریک کے معتقد و مداح ہیں۔ ان کی تصنیفات میں بھی اس کا ذکر تک دکھائی نہیں دیتا۔

معلوم ہوتا ہے کہ قیام پاکستان کے بعد بدلے ہوئے حالات کے تحت مولوی غلام رسول مہر نے سید احمد اور اس کی نام نہاد تحریک جہاد کو چمکانے کی خاطر مصلحتاً یہ کہانی لکھی اور دوسرے وہابی اسے لے اڑے اور اب صورت حال یہ ہو گئی ہے کہ ؎

ہر کہ آمد برآں مزید نمود۔!

رأس الافاضل استاذ العلماء مولانا محمد صالح صاحب مدظلہٗ

خطیب جامعہ مسجد درگاہ شریف پیر سائیں پاگارہ کا ارشاد

کتاب تذکرہ پیران پاگارہ کے مصنف اور مقدمہ نویس کے بیانات کی تحقیق کی خاطر فقیر درگاہ شریف (پیر جو گوٹھ) حاضر ہوا اور حضرت مولانا محمد صالح صاحب سے مصنف مذکور اور مقدمہ نویس کے بیانات کی حقیقت اور "حُر" کی وجہ تسمیہ دریافت کی۔ آپ نے بڑے دکھ بھرے لہجے میں فرمایا۔ یہ کس قدر ستم ظریفی ہے کہ حقیقت نا آشنا یہ لوگ دولت پیران پاگارہ

کی آڑ میں وہابی صاحبان اپنے ان پیشروؤں کو حقیقی مجاہدین ثابت کرنے کی کوشش کر رہے ہیں جو ہمیشہ انگریزوں کے وفادار اور حکومت برطانیہ کے مددگار و خدمت گذار رہے ہیں۔ یہ بات قطعاً غلط ہے کہ قبلہ پیر صبغت اللہ شاہ اول علیہ الرحمۃ نے اپنے پانچسو مرید نام نہاد مجاہد سید احمد رائے بریلوی کو لڑنے کے لئے دیئے تھے اور خود بھی اس کی تحریک میں شامل ہو گئے تھے۔ بات صرف اتنی سی ہے کہ سید احمد سرحد کو جاتے ہوئے بصورت سائلانہ پیر صبغت اللہ شاہ اول علیہ الرحمۃ کی خدمت میں حاضر ہوا اور قطع نظر اس کے کہ وہ کون ہے اور کیا ہے قبلہ پیر صاحب نے اپنے بحر سخاوت سے چند چھینٹے اس پر بھی ڈال دیئے تھے کہ سائل در سے خالی نہ جائے۔ لیکن اب یار لوگ ہیں کہ صرف اتنی سی بات کا بتنگڑ بنا رہے ہیں اور جو جی میں آتا ہے لکھتے چلے جاتے ہیں دراصل تہی دامن وہابی دوسروں کی تحریکوں میں اپنی ٹانگ اڑا کر کریڈٹ حاصل کرنے کی کوشش کرتے ہیں"

حُر کی وجہ تسمیہ کے بارے میں ارشاد ہوا" حضرت قبلہ پیر سائیں روضے دھنی قدس سرہ کے خلیفہ مجاز، خلیفہ نبی بخش لغاری بلوچ ساکن۔ مٹھی، "تعلقہ ٹنڈو باگو خاندان راشدیہ کے بڑے مشہور خدمت گذار رہے ہیں۔ آپ کے کاٹھیاواڑ میں ہزاروں مرید ہیں۔ ان کے پوتے خلیفہ غلام نبی نے ایک موقعہ پر حضرت پیر حزب اللہ شاہ صاحب (تخت دھنی) علیہ الرحمۃ کی خدمت میں عرض کیا کہ، قبلہ حاضرین درگاہ کی تعداد دن بدن بڑھتی جا رہی ہے جس کی وجہ سے مصارفِ لنگر پر بڑی کثیر رقم خرچ ہوتی ہے۔ اس کے باوجود آپ کے خاندان کے کئی پیر صاحبان جماعت میں گشت کرتے رہتے ہیں۔ مریدین ان کی بھی بڑھ چڑھ کر خدمت کرتے اور انہیں نذر و نیاز دیتے ہیں اور پھر لنگر شریف کے اخراجات کے لئے بھی مریدین کو حتی المقدور حصہ لینا ہوتا ہے اس طرح ان پر دوہرا بوجھ پڑتا ہے" پیر صاحب پاگارہ نے فرمایا" سب کی یکساں خدمت کرنے کے بجائے سجادہ نشین اور دیگر افراد خاندان میں کچھ فرق کر لیا کرو" پیر صاحب کے اس فرمان کے بعد خلیفہ غلام نبی نے پوری جماعت کو یہ حکم دے دیا کہ صرف سجادہ نشین یعنی پیر صاحب پاگارہ کی خدمت کریں۔ خلیفہ غلام نبی نے کہا، اللہ ایک، رسول ایک، تو پیر بھی ایک ہی ہے۔ لہٰذا ایک پیر ہی کی اطاعت۔ اسی کی خدمت مرید کے لئے لازمی ہے۔ پیر سائیں کے عزیزوں اور خاندان کے افراد کی عزت کرنا بھی ضروری ہے۔ مگر پیر صاحب پاگارہ کا مقام کسی دوسرے کو نہیں دیا جا سکتا۔ لہٰذا

Marfat.com

ہم صرف پیر صاحب پاگارہ کے فدائی اور جانثار ہیں۔ جماعت کے جن افراد نے خلیفہ غلام نبی صاحب کی بات کو تسلیم کیا وہ فرقی یعنی فرق کرنے والے مشہور ہوئے اور جنہوں نے حسب سابق پیر صاحب پاگارہ اور خاندان کے دیگر بزرگان کی خدمت کرتے رہنا پسند کیا وہ سالم کہلائے۔ اس موقع پر پیر صاحب پاگارہ پر فدا ہونے کے لحاظ سے فرق کرنے والوں نے خود کو حر کہلانا شروع کیا۔ کہ جس طرح امام حسین رضی اللہ تعالےٰ عنہ پر حر بن یزید ریاحی علیہ الرحمۃ نے اپنی جان قربان کر دی تھی اسی طرح ہم بھی پیر (سائیں) پاگارہ پر اپنی جانیں قربان کر دینے والے ہیں۔ فرقیوں کے خود کو حر کہلانے کے بعد دوسرے مریدین جو سالم تھے انہوں نے کہا کہ جانثاری کے معاملہ میں ہم بھی کسی سے پیچھے رہنے والے نہیں لہٰذا ہم بھی حر ہیں۔ اور اس طرح پیر حزب اللہ شاہ تخت دھنی کے دور میں مریدان خاندان پاگارہ حر کے نام سے پکارے جانے لگے۔ پیر سائیں تخت دھنی علیہ الرحمۃ سے پہلے مریدان پاگارہ میں سے کسی کو حر نہیں کہا گیا تھا“

حر کی وجہ تسمیہ کے بارے میں یہ بیان اس واجب الاحترام مجاہد ملت کا ہے جو لکھو کھہا مریدان پاگارہ کی پوری جماعت کا محترم صدر۔ درگاہ شریف کی جامع مسجد کا امام و خطیب۔ جامعہ راشدیہ کا مہتمم اور سینکڑوں علمائے حق کا استاد ہے۔ جس کی پوری زندگی پیران پاگارہ کی خدمت میں بسر ہوئی ہے۔ جو جماعت کے تمام امور کا امین اور پیر صاحب پاگارہ کا مقرب خاص ہے۔ جو حر تحریک کا سرگرم مجاہد رہ چکا ہے۔ ملک و ملت کی سربلندی و آزادی کی خاطر فرنگی استعمار کے خلاف برسر پیکار رہا ہے۔ اور قید فرنگ کی سختیاں جھیل چکا ہے۔ ان سے بڑھ کر خاندان راشدیہ کی تاریخ حالات اور واقعات سے کون واقف ہو سکتا ہے اصولی طور پر آپ کا ارشاد سند اور حرف آخر کا مقام رکھتا ہے۔ آپ کی وضاحت کے سامنے کسی بھی دوسرے کے بیان کی کچھ حیثیت یا وقعت باقی نہیں رہ جاتی۔ آپ کے اس بیان سے پروپیگنڈہ باز وہابیہ اور ان کے موئدین و مصدقین کی تمام تر افسانہ طرازیوں۔ مبالغہ آرائیوں اور غلط بیانیوں کی مکمل طور پر تردید ہو جاتی ہے اور کسی کے لئے مزید کچھ کہنے کی گنجائش باقی نہیں رہتی۔

فالحمد للّٰہ الذی یحق الحق ویبطل الباطل

Marfat.com

باب دوم

سید احمد رائے بریلوی کے جہاد کی حقیقت

فصل اول۔ مصنف "تذکرہ پیران پاگارہ" کی غلط بیانیاں

مصنف "تذکرہ پیران پاگارہ" نے واجب الاحترام پیران پاگارہ کے تذکرہ کی آڑ میں امام الوہابیہ سید احمد رائے بریلوی، اور اس کی نام نہاد "تحریک جہاد" کی مدح وستائش میں زمین وآسمان کے قلابے ملا دیئے ہیں سید احمد اور اس کے ساتھیوں کو انگریز دشمن، تحریک آزادی کے بانی اور ہیرو ثابت کرنے کی دھن میں غلط بیانی کی تمام حدود کو پھلانگ جانے کی سر توڑ کوشش کر دکھائی ہے اس لئے ضروری ہے کہ تاریخ کا ریکارڈ درست رکھنے کی خاطر تاریخی حقائق کی روشنی میں مصنف تذکرہ کی غلط بیانیوں کا پوسٹ مارٹم کر دیا جائے تاکہ اصل حقیقت واضح ہو جائے اور ان الوہابی مصنفین کی تاریخ کو مسخ کرنے کی مذموم سازش ناکام ہو سکے۔ نیز مصنف تذکرہ پیران پاگارہ کے نام سے غلط فائدہ اٹھانے کی جو ناپاک جسارت کی اور قارئین تذکرہ پیران پاگارہ کو غلط فہمیوں میں مبتلا کر دینے کی جو پر فریب کوشش کی ہے قارئین تذکرہ اس سے واقف ہو کر غلط فہمیوں کا شکار ہونے سے بچ سکیں۔

مصنف تذکرہ کا دعویٰ ہے کہ سید احمد اور اسماعیل دہلوی آزادی کے علمبردار تھے ان کی تحریک کا مطمع نظر یہ تھا کہ دین اور وطن کو سکھوں اور انگریزوں کے تسلط سے آزاد کرایا جائے اور حکومت الٰہیہ قائم کی جائے انہیں کے جذبہ حریت اور ان کے متبعین (وہابیہ) کی صد سالہ جدوجہد آزادی کے نتیجہ میں ہی برصغیر میں انگریزی اقتدار کا خاتمہ ہوا۔ انہی کے اثرات کی بدولت برصغیر کو آزادی ملی۔ آزاد بھارت اور آزاد پاکستان کا قیام عمل میں آسکا۔ آزادی کی خاطر جدوجہد کرنے والے تمام راہنما اور لیڈر خواہ وہ گاندھی۔ نہرو، پٹیل وغیرہ ہندو کانگرسی ہوں یا مسلمان قائد اعظم محمد علی جناح۔ خان لیاقت علی خان۔ خواجہ ناظم الدین۔ سردار عبدالرب نشتر۔ مولانا عبدالعلیم صدیقی۔ مولانا عبدالحامد بدایونی۔ پیر سید جماعت علی شاہ علی پوری۔ پیر صاحب مانکی شریف۔ پیر صاحب

بھرچنڈی شریف وغیرہ مع یہ سب سید احمد اور اسماعیل دہلوی کے شاگرد اور انہی کے مرہون منت ہیں

نیز مصنف تذکرہ کا اس پر بڑا اصرار ہے کہ واجب الاحترام پیران پاگارا نے انگریز کے خلاف لڑتے ہوئے جو بے نظیر مجاہدانہ کارنامے سرانجام دیئے اور حر مجاہدین نے برطانوی سامراج سے مردانہ وار ٹکر لی اور بے مثال قربانیاں دیں وہ سب سید احمد اور اسماعیل دہلوی کی راہنمائی اور ان کے چھوڑے ہوئے اثرات کا ہی نتیجہ ہیں۔

مصنف تذکرہ ص ۲۰۳، ۲۰۴ پر لکھتا ہے "سرزمین سندھ کو یہ فخر حاصل ہے کہ اس نے مجاہدین آزادی کے علمبردار حضرت سید احمد شہید اور حضرت اسماعیل کے قدم میمنت لزوم چومے اور ان کے چھوڑے ہوئے اثرات کو تقریباً ایک صدی تک اس شان سے زندہ و تابندہ رکھا کہ فرنگی حکمرانوں کے ایوان لرز اٹھے۔ حضرت سید صبغت اللہ شاہ اول نے حضرت سید احمد شہید کی تحریک کا جو چراغ سندھ میں روشن کیا تھا اس کی ضو بڑھتے بڑھتے اس قدر پھیلی کہ اس سے برصغیر کی تاریخ کے اوراق جگمگا اٹھے اور انگریزوں کی آنکھیں چندھیا گئیں۔ آزادی کے اس چراغ نے تیل کی جگہ حضرت سید صبغت اللہ شاہ ثانی سے ان کا خون حاصل کیا اور صرف چار سال بعد ہی مسلمانوں کے خوابوں کی دنیا "پاکستان" قائم ہو گیا"

نیز مصنف تذکرہ ص ۱۳۲ پر دعویٰ کرتا ہے "یہ جہاد مسلمانوں کو انگریزوں اور سکھوں کی غلامی سے نجات دلانے کے لئے کیا گیا تھا" اور ص ۱۱۳ پر لکھتا ہے "سید احمد شہید نے ۱۸۲۶ء میں انگریزوں اور سکھوں سے جہاد کے لئے مسلمانوں کو منظم کیا" نیز ص ۱۱۱ پر دانشگاف الفاظ میں لکھا ہے "تحریک مجاہدین ہندوستان کی وہ ناقابل فراموش تحریک ہے جس نے مسلمانوں میں جہاد کی روح پھونک دی تھی برصغیر پاک و ہند کی آزادی میں عموماً اور پاکستان کی جدوجہد میں خصوصاً اس تحریک نے جو زندگی پیدا کی تھی وہ رہتی دنیا تک کبھی فراموش نہیں کی جا سکتی۔ اس تحریک میں ہر قوم اور خطہ کے مسلمانوں نے حصہ لیا اور سید احمد شہید اور شاہ اسماعیل شہید کی اس تحریک جہاد نے تقریباً ایک سو سال تک مجاہدوں کو آزادی کیلئے سرگرم پیکار کیا .... ۱۸۲۱ء سے ۱۹۴۷ء تک جن جانبازیوں کی داستانیں اس برصغیر کے کونے کونے میں گونجتی رہی تھیں

Marfat.com

انکی صدائے بازگشت پاکستان کی صورت میں رونما ہوئی" المختصر مصنف تذکرہ چوہدری تبسم صاحب نے اسی پروپیگنڈہ پر اپنی تمامتر توانائیاں صرف کر ڈالی ہیں اور فاضل مقدمہ نویس جناب سردار علی شاہ صاحب بھی سوائے ایک مقام کے جہاں انہوں نے چھ سال کی تقدیم و تاخیر کا فرق ظاہر فرمایا، مصنف کی ہاں میں ہاں ملاتے چلے گئے ہیں یہی حال دیگر وہابیہ کا ہے پاک و ہند کے سارے وہابی صاحبان تقریر و تحریر کے ذریعہ اسی طرح تاریخ کو مسخ کرنے کی خاطر ایڑی چوٹی کا زور لگانے میں مصروف ہیں۔

فصل دوم . وہابیوں کے پروپیگنڈہ کی اصل وجہ

مسلک وہابیہ کے مقررین اور مصنفین کے اس پروپیگنڈہ پر اس قدر زور صرف کرنے کی اصل وجہ یہ ہے کہ ان کے بیشتر و اور سپرد سلطنت برطانیہ کی انتہائی وفاداری اور ہندو کانگرس کی نمکخواری کے باعث بیحد بدنام ہیں۔ وہابی لیڈروں اور مولویوں نے انگریزوں کی حمایت اور ہندو کانگریس کی ہمنوائی میں جو گھناؤنا کردار ادا کیا اس کی وجہ سے وہابیہ کی پیشانی پر کفر نوازی اور ملت فروشی کا انمٹ سیاہ داغ لگ چکا ہے۔ تحریک پاکستان کے دوران دیوبندی وہابی مولویوں کی جمعیۃ العلمائے ہند، مجلس احرار، مودودی پارٹی اور دیگر وہابی صاحبان نے علی الاعلان مسلم لیگ اور اس کے قائدین کے خلاف جو دریدہ دہنی اور ہرزہ سرائی کا مظاہرہ کیا ہے اسے کروڑوں مسلمان شاہد ہیں ان لوگوں نے تحریک پاکستان کو ناکام بنانے کے سلسلہ میں ہندو کانگریس، ہندو مہا سبھا، جن سنگھ اور سکھوں کی اکالی پارٹی کے لیڈروں اور کارکنوں سے بھی زیادہ زور کے ساتھ دو قدم آگے بڑھ کر مہم چلائی اور قیام پاکستان کو ناممکن بنا دینے کی سرتوڑ جدوجہد کی ہے۔

ان کے اس کردار کو دیکھ کر جمہور مسلمانان اہلسنت کے سینے شق ہو گئے اور ان کے خلاف غم و غصہ اور نفرت کی ایک عام لہر دوڑ گئی۔ مسلمانوں نے وہابی مولویوں کو حقارت کے ساتھ ٹھکرا دیا اور بابائے قوم قائد اعظم محمد علی جناح کی پکار پر لبیک کہتے ہوئے مسلم لیگ کے سبز ہلالی پرچم تلے مجتمع ہو کر ناقابل فراموش قربانیاں دیں اور پاکستان بنا کر دم لیا۔ اب وہابی مقررین اور مصنفین یہ تو کہہ نہیں سکتے کہ ہم نے یا ہمارے مولویوں نے جدوجہد آزادی

Marfat.com

میں حصہ لیا تھا اس لئے وہ تاریخ کو مسخ کر کے اور حقائق کو توڑ مروڑ کر سید احمد رائے بریلوی اور اسماعیل دہلوی کو آزادی کے علمبردار بنا کر اور ان کی نام نہاد تحریک کو تحریک جہاد و آزادی ظاہر کر کے اپنی خفت کو مٹانے اور گروہ وہابیہ کی پیشانی پر سے کفر نوازی اور ملت فروشی کے انمٹ سیاہ داغ کو مٹا ڈالنے کی ناکام کوشش میں ہیں۔ یہ ظاہر کر کے کہ سید احمد اور اس کے متبعین وہابیہ کی تحریک ہی کے نتیجہ میں پاکستان قائم ہوا ہے۔ مسلمانوں پر مفت کا احسان جتلانے کی جسارت کرتے ہیں۔ بہ الفاظ واضح تر، لہو لگا کر شہیدوں میں مل جانا چاہتے ہیں

فصل سوم۔ مصنف تذکرہ کی غلط بیانیوں کا پوسٹ مارٹم

از اول تا زمانۂ حال وہابیہ کے مجموعی کردار پر مشتمل

فقیر کی تصنیف "مکمل تاریخ وہابیہ" شائع ہو چکی ہے۔ قارئین اگر وہابیہ کے حالات تفصیل سے جاننے کے خواہش مند ہوں تو اس کا مطالعہ کریں۔ اس رسالہ میں فقیر صرف مصنف تذکرہ کی غلط بیانیوں کی حقیقت ظاہر کرنے کی حد تک مختصراً چند تاریخی حقائق پیش کرنے پر ہی اکتفا کرتا ہے۔

مصنف نے حسب ذیل دعاوی کئے ہیں

۱۔ سید احمد رائے بریلوی برصغیر پاک و ہند میں تحریک آزادی کا بانی اور آزادی کا علمبردار تھا۔

۲۔ سید احمد اور اسماعیل دہلوی نے سکھوں اور انگریزوں کے خلاف جہاد کے لئے مسلمانوں کو منظم کیا۔

۳۔ سید احمد اور اسماعیل دہلوی نے سکھوں اور انگریزوں کے خلاف جہاد کیا۔

۴۔ سید احمد اور اس کے ساتھی ملک میں حکومت الہیہ قائم کرنا چاہتے تھے۔

۵ سید احمد کی تحریک کے اثرات کی وجہ سے حکومت برطانیہ کے خلاف جنگ آزادی ۱۸۵۷ء برپا ہوئی

۶۔ سید احمد نے حضرت پیر صبغت اللہ شاہ اول علیہ الرحمۃ کو جہاد آزادی کی راہ دکھائی

۷۔ سید احمد کی دکھائی ہوئی راہ پر چل کر قائدین مسلم لیگ پاکستان حاصل کرنے میں کامیاب ہوئے۔

Marfat.com

۔۔۔سید احمد کی تحریک مجاہدین نے باقاعدہ جہاد سے انگریزوں اور سکھوں کو خطرات سے دوچار کر دیا تھا۔ اگر بعض غدار پشاوری سردار اپنے کمینہ پن سے کام نہ لیتے تو سکھوں کی حکومت کا تختہ الٹ دیا جاتا۔

تاریخی واقعات و شواہد مصنف تذکرہ کے ان دعاوی کا ابطال کرتے ہیں، سید احمد اسماعیل دہلوی اور ان کے متبعین وہابیہ کا شرمناک کردار چوہدری تبسم صاحب کی غلط بیانیوں کی کھلی تکذیب کرتا ہے دور آزادی سے پہلے کے مصنفین وہابیہ کی معتبر کتب پکار پکار کر اعلان کرتی ہیں کہ بدلے ہوئے حالات کے تحت موجودہ دور کے وہابیہ غلط بیانیوں کے مرتکب اور تاریخ کو مسخ کرنے کے مجرم ہیں۔!

حقیقت یہ ہے کہ سید احمد، اسماعیل دہلوی اور ان کے ساتھیوں کو تحریک آزادی کے بانی یا آزادی کے علمبردار قرار دینا ایسا ہی جھوٹ ہے جیسے کہ کوئی پروپیگنڈہ باز میر جعفر اور صادق دکنی کو تحریک آزادی کے بانی یا آزادی کے علمبردار ثابت کرنے کی کوشش کرے جن کے بارے مفکر اسلام حضرت علامہ ڈاکٹر اقبال علیہ الرحمۃ نے فرمایا ہے

جعفر از بنگال و صادق از دکن
ننگِ ملت، ننگِ دیں، ننگِ وطن

یہ اس دور کے واقعات ہیں جب کہ ہندوستان میں ایسٹ انڈیا کمپنی کافی زور پکڑ چکی تھی۔ سلطنت مغلیہ زوال پذیر تھی اور ملک میں سخت انتشار اور غیر یقینی حالات پیدا ہو چکے تھے۔ پنجاب کے علاقہ میں سکھ اپنی حکومت قائم کئے ہوئے تھے۔ مغل تاجدار انگریزوں کا دست نگر بن کر بے دست و پا تھا ملک میں عملاً یہ صورت حال تھی کہ ملک اللہ کا، حکومت بادشاہ کی اور حکم ایسٹ انڈیا کمپنی بہادر کا۔

اس پر آشوب دور میں ضرورت اس امر کی تھی کہ راہنمایانِ قوم، انگریزوں کے روز افزوں خطرے کے سدباب کی خاطر منظم و مؤثر تدابیر اختیار کرتے۔ ملک و ملت کی صحیح راہنمائی کر کے غاصب انگریز کے قدم جمتے ہوئے اقتدار کو بیخ و بن سے اکھاڑ پھینکنے اور مسلمانوں کی متزلزل حکومت کو سہارا دینے کے لئے مجاہدانہ اقدام کرتے۔ حکومت مغلیہ اور مسلمانوں کے خلاف انگریزوں کی چیرہ دستیوں کو دیکھ کر ملک و ملت

Marfat.com

کا درد رکھنے والے مسلمان پیچ و تاب کھا رہے تھے انگریزوں کے خلاف اندر ہی اندر نفرت کا لاوا پک رہا تھا مسلمان انگریزی اقتدار کے خلاف بھرپور جدوجہد کیلئے مناسب موقعہ کے انتظار میں تھے وہ یہ دیکھ رہے تھے کہ کوئی مردِ خدا اٹھے اور ان کی راہنمائی کرے۔

ان دنوں ملک میں شاہ ولی اللہ شاہ صاحب دہلوی کی قائم کردہ ایک تحریک " تحریک اقامت دین " موجود تھی۔ جو حضرت شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی علیہ الرحمۃ کے زیر قیادت کافی شہرت و مقبولیت حاصل کر چکی تھی۔ یہ تحریک حصول آزادی کا ایک مؤثر ذریعہ بن سکتی تھی مگر بدقسمتی سے شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی علیہ الرحمۃ کے انتقال کے بعد اس کی زمام قیادت ایسے افراد کے ہاتھوں میں آ گئی تھی جنہیں مسلمانوں کے اجتماعی مفاد کے بجائے ذاتی و گروہی مفاد عزیز تھا۔ مشہور انقلابی مولوی عبیداللہ صاحب سندھی کتاب "شاہ ولی اللہ اور ان کی سیاسی تحریک ص ۹۸ پر لکھتے ہیں کہ " ۱۲۳۹ھ میں امام عبدالعزیز دہلوی فوت ہوئے تو آپ نے اپنا مدرسہ مولانا محمد اسحاق صاحب کے سپرد کیا۔ یہ حزب ولی اللہ کی امامت کا عرفی دستور تھا سید احمد شہید کا قافلہ جب حج سے واپس آیا تو انہوں نے امام عبدالعزیز کے بعد شاہ محمد اسحاق کی امامت کو تسلیم کیا اس زمانہ میں اگر جمعیت کا اجلاس مدرسہ میں ہوتا تو مولانا محمد اسحاق صدارت کرتے اور سید احمد شہید حلقے میں بیٹھتے اور جب مدرسہ سے باہر مجلس منعقد ہوتی سید احمد صدر بنتے اور مولانا محمد اسحاق حلقہ میں شریک ہوتے اس طرح حزب ولی اللہ کی اساسی مصلحت کی حفاظت اور رجال و اموال جمع کرنے کے لئے دعاۃ کا سلسلہ امام عبدالعزیز کے مدرسہ سے متعلق رہا اور عسکری و سیاسی قیادت سید احمد شہید کی جماعت سے وابستہ ہوئی" واضح رہے کہ جہاد کے نام پر لشکر اور روپیہ کی فراہمی مولوی محمد اسحاق کے سپرد تھی اور سیاسی امور اور لشکر کی کمان سید احمد کے ہاتھ میں تھی اور مولوی محمد اسمٰعیل دہلوی، سید احمد کا نائب اور لشکر کا کمانڈر انچیف تھا۔ ملاحظہ ہو کتاب "حیات طیبہ" ص ۲۹۳ مصنفہ مرزا حیرت دہلوی

سید احمد صاحب وہ حضرت تھے جو برسوں پہلے "ایسٹ انڈیا کمپنی" کے حامی و وفادار بن چکے تھے۔ ملک و ملت کے مفاد کے خلاف خدمات سرانجام دے کر برطانوی حکمرانوں کا اعتماد حاصل کر چکے تھے۔ مثلاً سید احمد ۱۲۲۴ھ میں "مالوہ" کے امیر خان پنڈاری کی فوج میں سوار کی حیثیت سے ملازم ہوا۔ کچھ عرصہ بعد امیر خان پنڈاری نے اس کی خدمات اور وفاداری پر اعتماد کرتے ہوئے اسے اپنے باڈی گارڈ کا افسر بنا دیا۔ پھر سید احمد نے رفتہ رفتہ امیر خان پنڈاری کا اعتماد یہاں تک حاصل کر لیا کہ امیر خان پنڈاری

Marfat.com

نے اسے اپنا مشیر بنالیا حتی کہ کوئی کام اس کے مشورہ کے بغیر نہ کرتا امیر خان بڑا بہادر اور جنگجو تھا اس کے بے پناہ حملوں سے جے پور، جودھ پور اور دوسری ریاستوں پر ہیبت طاری تھی۔ نیز اس نے انگریزوں کا بھی ناک میں دم کر رکھا تھا۔ انگریزوں نے اس مصیبت سے نجات حاصل کرنے کے لئے اپنی روایتی عیاری سے کام لیتے ہوئے سازش کا جال پھیلایا۔ سید احمد سے رابطہ قائم کر کے امیر خان پنڈوری کو پھانسنے کی ترکیب نکالی اور انگریزی حکام نے یہ مہم سید احمد کے سپرد کی۔ سید احمد نے بڑی ہوشیاری سے اس مہم کو سرانجام دیا اور سلطنت برطانیہ کے استحکام کی خاطر امیر خان پنڈوری کے اعتماد سے ناجائز فائدہ اٹھاتے ہوئے اس بپھرے ہوئے شیر کو برطانوی اقتدار کے پنجرے میں بند کر کے دم لیا سید احمد کے اس کارنامے پر انگریز حکمران نہایت خوش ہوئے اور سید احمد صاحب انگریزوں کے محسن اور منظور نظر بن گئے۔

متعصب وہابی مرزا حیرت دہلوی لکھتا ہے "۱۲۳۱ھ تک سید احمد صاحب امیر خان کی ملازمت میں رہے مگر ایک ناموری کا کام آپ نے یہ کیا کہ انگریزوں اور امیر خان کی صلح کرادی اور آپ ہی کے ذریعہ جو شہر بعد ازاں دیئے گئے اور جن پر آج تک امیر خان کی اولاد حکمرانی کرتی ہے دیئے طے پائے تھے لارڈ ہیسٹنگ سید احمد صاحب کی بے نظیر کارگزاری سے بہت خوش تھا۔ دونوں لشکروں کے بیچ میں ایک خیمہ کھڑا کیا گیا اور اس میں تین آدمیوں کا باہم معاہدہ ہوا۔ امیر خان، لارڈ ہیسٹنگ اور سید احمد صاحب (حیات طیبہ ص۱۳)

مزید ایک ثبوت ملاحظہ ہو

"ایک روز کا ذکر ہے کہ لشکر نواب امیر خان مرحوم انگریزوں کے لشکر سے لڑ رہا تھا دونوں طرف سے توپ اور بندوقیں چل رہی تھیں اس وقت سید صاحب اپنے خیمے میں تشریف رکھتے تھے۔ آپ نے اپنا گھوڑا تیار کروایا اور اس پر سوار ہو کر مثل ہوا کے دونوں لشکروں کو چیرتے ہوئے اس مقام پر پہنچ گئے جہاں انگریزی فوج کا سپہ سالار مع اپنے مصاحبوں کے کھڑا تھا پس وہاں سے اس سپہ سالار کو ساتھ لے کر پھر دونوں لشکروں کو چیرتے ہوئے اپنے خیمے تک چلے آئے یہاں آکر تھوڑی سی بات چیت کے بعد سپہ سالار مذکور نے عہد کر لیا کہ میں اسی دم اپنے لشکر کو مقابلہ نواب امیر خان صاحب سے واپس لے جاؤں گا اور پھر مقابلہ کرنے نہ آؤں گا بلکہ جہاں تک ممکن ہوگا اپنی سرکار کو اس بات پر مجبور

کردیں گا کہ نواب امیر خان صاحب سے صلح کرے اس واقعہ کے بعد پھر سرکار انگریزی اور نواب امیر خان میں جنگ نہیں ہوئی بلکہ صلح کی بات چیت اور رسل و رسائل شروع ہو گئے اور لارڈ ہیسٹنگ صاحب بہادر وائسرائے ہند کے عہد میں ٹونک کا ملک نواب صاحب کو دے کر صلح کی گئی"

(اقتباس از حیات سید احمد شہید، مصنفہ محمد جعفر تھانیسری ص۱۸۱)

غور کا مقام ہے کہ اگر سید احمد صاحب کے دل میں آزادی وطن کی تڑپ ہوتی تو وہ دشمن دین و وطن انگریزوں کا آلہ کار نہ بنتا۔ امیر خان کو انگریزوں کی غلامی پر رضامند کرنے کی بجائے اسے انگریزوں کے خلاف جہاد میں اور زیادہ تیزی و تندی اختیار کرنے کا مشورہ دیتا۔ امیر خان کے پاس پچیس ۲۵ تیس ہزار کا لشکر جرار موجود تھا۔ اس میں اضافہ و ترقی کی کوشش کرتا۔ مگر اس نے ناموس اسلام اور آزادی وطن کی کچھ پرواہ نہ کرتے ہوئے دشمن ملک و ملت انگریزوں کا منظور نظر بننا پسند کیا۔ پہلے تو اس نے امیر خان اور اس کے لشکریوں کو ابن عبدالوہاب نجدی کے مذہب کی ترغیب دے کر وہابی بنایا چنانچہ مرزا حیرت دہلوی لکھتا ہے "اس مستعدی اور زبانی پند و نصائح کا عملی شرعی معاشرت کے ساتھ یہ اثر ہوا کہ امیر خان معہ اپنے کل بھائی بندوں اور اولاد کے سچا محمدی (وہابی) بن گیا اور اس نے تمام ناروا باتوں سے توبہ کی جب لشکر نے یہ کیفیت دیکھی وہ بھی پورا محمدی (وہابی) بن گیا" (حیات طیبہ ص۵۱۲) اور پھر ان سید صاحب نے سادے اہلسنت مسلمان مجاہدین کا دین و ایمان بگاڑنے کے بعد کمال چالاکی سے ان کے جذبہ جہاد کو بھی کچل کر انگریزوں کے شکنجہ غلامی میں کس کر رکھ دیا۔ مرزا حیرت دہلوی لکھتا ہے "سید احمد صاحب نے امیر خان کو بڑی مشکل سے شیشہ میں اتارا تھا آپ نے اسے یقین دلایا تھا کہ انگریزوں سے مقابلہ کرنا اور لڑنا بھڑنا اگر تمہارے لئے برا نہیں ہے تو تمہاری اولاد کے لئے سم قاتل کا حکم رکھتا ہے۔ یہ باتیں امیر خان کی سمجھ میں آ گئی تھیں اور اب وہ اس بات پر رضامند تھا کہ گذارہ کے لئے کچھ ملک مجھے دے دیا جائے تو میں بآرام بیٹھوں امیر خان نے ریاستوں اور ان کے ساتھ انگریزوں کا بھی ناک میں دم کر دیا تھا۔ آخر ایک بڑے مشورے کے بعد سید احمد صاحب کی کارگزاری سے ہر ریاست میں سے کچھ کچھ حصہ دے کر امیر خان سے معاہدہ کر لیا جیسے جے پور سے ٹونک دلوا دیا اور بھوپال سے سرونج اسی طرح

Marfat.com

سے مختلف پرگنے مختلف ریاستوں سے بڑی ذلیل وقال کے بعد انگریزوں سے دلوا کر جھپٹے ہوئے شبیر کو اس حکمت سے پنجرہ میں بند کر دیا (حیات طیبہ ص۱۳۲-۱۴۰)

مصنف تذکرہ اور اس کے ہمنوا بتائیں کہ اگر ملک وملت کے بہی خواہوں اور آزادی کے علمبرداروں کا یہی کردار ہوا کرتا ہے جو کہ سید احمد کا کردار ہے؟ نیز وہابی صاحبان اپنے سینہ پر ہاتھ رکھ کر سوچیں کہ اسی ایک واقعہ سے ان کی تمام تر غلط بیانیوں اور پروپیگنڈہ کی تردید ہو جاتی ہے یا نہیں۔ بہر حال ثابت ہوا کہ سید احمد حکومت برطانیہ کا وفادار تھا۔ انگریزوں کا دشمن ہرگز نہیں تھا۔ فرنگی سامراج کا مددگار تھا ایسا شخص ملک وملت کی آزادی کا علمبردار کیونکر قرار دیا جا سکتا ہے؟ چونکہ سید احمد رائے بریلوی انگریزوں کا دیرینہ وفادار اور برطانوی اقتدار کے استحکام میں ان کا مددگار تھا اس لئے جب تحریک اقامت دین کی باگ دوڑ اس کے ہاتھ میں آ گئی تو انگریز حکام مطمئن اور نہایت خوش ہوئے۔ چنانچہ انہوں نے حکومت برطانیہ کے خلاف مسلمانوں کی نفرت اور بڑھتی ہوئی بے چینی کو دبانے کے لئے بھی سید احمد ہی کو آلۂ کار بنانے کا فیصلہ کیا۔

تاریخی واقعات سے واضح ہوتا ہے کہ سید احمد نے اس نازک مرحلہ پر بھی انگریزوں کو مایوس نہیں کیا۔ بلکہ باہم تعاون کرنے پر بآسانی آمادہ ہو گیا جس کے نتیجہ میں فریقین (سید احمد اور حکمران انگریز) حسب ذیل امور پر متفق ہو گئے

۱۔ سید احمد، اسماعیل دہلوی، اور اس کے ساتھی ہمیشہ حکومت برطانیہ کے وفادار رہیں گے

۲۔ سید احمد ہر ممکن طریقہ سے مسلمانوں کو حکومت برطانیہ کا وفادار رکھنے کی جدوجہد کرے گا

۳۔ سید احمد اور اس کے ساتھی انگریزوں کی طرف سے مسلمانوں کی جدوجہد آزادی کا رخ پھیر دینے کی خاطر (تحریک اقامت دین، کا نام تحریک مجاہدین رکھ کر سکھوں کے خلاف جہاد کا نعرہ بلند کریں گے تاکہ انگریز مطمئن ہو کر یکسوئی کے ساتھ ہندوستان پر اپنا اقتدار مستحکم کر سکیں۔

اس کے صلہ میں

۴۔ برٹش گورنمنٹ سید احمد اور اس کے ساتھیوں کو سرحدی علاقہ میں "ریاست وہابیہ" قائم کرنے کی خاطر ہر ممکن سہولت مہیا کرے گی اور انہیں فوجی ومالی امداد دے گی۔

Marfat.com

دیوبندی کانگریسی مولوی حسین احمد مدنی کا بیان ہے کہ جب سید احمد صاحب کا ارادہ سکھوں سے جنگ کرنے کا ہوا تو انگریزوں نے اطمینان کا سانس لیا اور جنگی ضرورتوں کو مہیا کرنے میں سید صاحب کی مدد کی،، (نقش حیات ج۲ ص۱۲)

سید احمد نے اپنے ساتھیوں سے صلاح و مشورہ کے بعد یہ پروگرام مرتب کیا کہ فی الفور سکھوں کے خلاف جہاد کا اعلان کر دیا جائے پنجاب میں مسلمانوں پر سکھوں کے مظالم کا ڈھنڈورہ پیٹ کر رضا کار فراہم کئے جائیں جہاد کے نام پر لوگوں سے چندہ وصول کرنے کی بھرپور مہم چلائی جائے اور پھر صوبہ سرحد میں کسی مناسب مقام پر اپنا ہیڈ کوارٹر قائم کر کے مسلم پٹھانوں کو سکھوں کے خلاف جہاد کی ترغیب دے کر ان کی مدد و حمایت حاصل کی جائے۔ پٹھانوں سے اپنی امارت تسلیم کرائی جائے۔ اسی طرح انہیں اپنا ماتحت بنا کر یا بصورت دیگر انہیں زیر کر کے لڑ بھڑ کر سکھوں اور پٹھانوں سے کچھ علاقہ چھین کر اپنی ایک ،، ریاست وہابیہ،، قائم کر لی جائے۔

اس پروگرام کے تحت سید احمد اور اسماعیل دہلوی نے سکھوں کے خلاف جہاد کا اعلان کر دیا۔ شہر بشہر جلسے منعقد کر کے پنجاب میں مسلمانوں پر سکھوں کے مظالم بیان کرنا شروع کر دیا گیا۔ اور مسلمانوں کو سکھوں کے خلاف جہاد میں شامل ہو جانے کی ترغیب دی جانے لگی۔ مسلمان جو انگریزوں کی چیرہ دستیوں سے پریشان اور برطانوی تسلط سے نجات حاصل کرنے کی سوچ میں تھے سید احمد اور اس کے ساتھیوں کی اس روش سے سخت مایوس ہوئے۔ مسلمانوں کو زیادہ حیرت اس بات پر ہوئی کہ سید احمد اور اس کے ساتھی، غاصب و ظالم انگریزوں کے خلاف کیوں منہ نہیں کھولتے۔! تحریک وہابیہ کے ایک سرگرم کارکن مولوی محمد جعفر تھانیسری کا بیان ہے کہ "یہ بھی صحیح روایت ہے کہ اثنائے قیام کلکتہ میں جب ایک روز مولانا محمد اسماعیل وعظ فرما رہے تھے ایک شخص نے مولانا سے یہ فتویٰ پوچھا کہ سرکار انگریزی پر جہاد کرنا درست ہے یا نہیں؟ اس کے جواب میں مولانا نے فرمایا کہ ایسی بے رو ریا اور غیر متعصب سرکار پر کسی طرح بھی جہاد کرنا درست نہیں ہے،، (سوانح احمدی مطبوعہ فاروقی دہلی ص۵۷)

نیز وہابی مؤرخ مرزا حیرت دہلوی لکھتا ہے" کلکتہ میں جب مولانا اسماعیل صاحب نے جہاد کا وعظ شروع کیا ہے اور سکھوں کے مظالم کی کیفیت پیش کی ہے تو ایک شخص نے دریافت کیا کہ آپ انگریزوں پر جہاد کا فتویٰ کیوں نہیں دیتے؟ آپ نے جواب دیا کہ ان پر جہاد کسی طرح واجب نہیں ہے بلکہ ان (انگریزوں)

Marfat.com

پر کوئی حملہ آور ہو تو مسلمانوں پر فرض ہے کہ وہ اس (حملہ آور) سے لڑیں اور اپنی گورنمنٹ (برطانیہ) پر آنچ نہ آنے دیں۔" (حیات طیبہ مطبوعہ فاروقی دہلی ص ۲۹۶)

کسی نے یہی سوال جب نام نہاد تحریک مجاہدین کے امیر سید احمد سے کیا تو اس نے جواب دیا: "ہم سرکار انگریزی پر کس سبب سے جہاد کریں اور خلاف اصول مذہب طرفین کا خون بلا سبب گرادیں"۔ (تواریخ عجیبہ ص ۹۱)

سید احمد اور اس کے کمانڈر انچیف اسماعیل دہلوی کے اعلانات سے واضح ہوا کہ یہ نام نہاد مجاہدین کسی طرح بھی انگریزوں کے خلاف جہاد کو جائز نہیں سمجھتے تھے نہ سیاسی لحاظ سے نہ مذہبی لحاظ سے بلکہ یہ لوگ سلطنت برطانیہ کو بے رو ریا، غیر متعصب اور اپنی گورنمنٹ قرار دے کر مسلمانوں کو یہ درس دے رہے تھے کہ برٹش گورنمنٹ کے مخالفین کے خلاف جہاد کریں اور جان و مال قربان کر کے انگریزوں کی حفاظت کریں۔

تحریک وہابیہ کا مشہور و معروف مولوی محمد جعفر تھانیسری بڑی وضاحت کے ساتھ لکھتا ہے "اس سوانح اور نیز مکتوبات منسلکہ سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ سید صاحب کا سرکار انگریزی سے جہاد کرنے کا ہرگز ارادہ نہیں تھا وہ اس آزاد عملداری کو اپنی ہی عملداری سمجھتے تھے اور اس میں شک نہیں کہ اگر سرکار انگریزی اس وقت سید صاحب کے خلاف ہوتی تو ہندوستان سے سید صاحب کو کچھ بھی مدد نہ پہنچتی مگر سرکار انگریزی اس وقت دل سے چاہتی تھی کہ سکھوں کا زور کم ہو"۔ (تواریخ عجیبہ ص ۱۸۲)

نام نہاد تحریک مجاہدین کے امیر سید احمد، مجاہدین کے کمانڈر انچیف اسماعیل دہلوی اور ان کے سرگرم کارکن مولوی محمد جعفر تھانیسری کے ان واضح اعلانات و بیانات کے سامنے مصنف تذکرہ چوہدری تبسم صاحب یا دیگر وہابیہ اور ان کی بلا سوچے سمجھے تائید کرنے والوں کے پروپیگنڈہ کی کونسی حقیقت باقی رہ جاتی ہے۔؟؟

فصل چہارم۔ سید احمد کے سکھوں کیخلاف جہاد کی حقیقت

وہابی مورخ مرزا حیرت دہلوی لکھتا ہے "سید صاحب کے پاس مجاہدین جمع ہونے لگے۔ سید صاحب نے مولانا اسماعیل کے مشورے سے شیخ غلام علی رئیس الٰہ آباد کی معرفت لیفٹیننٹ گورنر ممالک مغربی شمالی کی خدمت میں اطلاع دی کہ ہم لوگ سکھوں پر جہاد

کرنے کی تیاری کرتے ہیں سرکار کو تو اس میں اعتراض نہیں ہے؟ لیفٹیننٹ گورنر نے صاف لکھ دیا کہ ہماری عملداری میں اور امن میں خلل نہ پڑے تو ہمیں آپ سے کچھ سروکار نہیں"! (حیات طیبہ ص ۴۲۲ مطبوعہ مکتبۃ السلام لاہور) ثابت ہوا کہ سید احمد کا سکھوں کے خلاف جہاد حکومت برطانیہ کے مفاد میں تھا سید احمد نے انگریزوں کی حمایت میں ان کی حمایت اور مرضی کے تحت یہ ڈھونگ رچایا تھا۔ ورنہ سید احمد کو انگریزی حکومت سے اجازت مانگنے کی ضرورت کیوں پڑتی۔ اور انگریز انہیں اس کی اجازت کیونکر دے سکتے تھے۔؟

دیوبندی مولوی محمد عبید اللہ سندھی لکھتے ہیں "ذوالحجہ ۱۲۳۹ھ سے جہاد کی تیاری شروع کر دی گئی۔ مولانا محمد اسماعیل اور مولانا عبدالحی نے ترتیب جہاد کے لیے اطراف ہند کا دورہ کیا جب دو ہزار مجاہدین کا اجتماع ہو گیا تو امیر شہید نے ان کے تین حصے کر دیئے اور کوچ کا حکم دیا" (شاہ ولی اللہ اور ان کی سیاسی تحریک ص ۹۵)

غور کا مقام ہے کہ جن دنوں سید احمد امیر خان پنڈاری کا مشیر خاص تھا۔ شیر دل امیر خان کے پاس پچیس "۲۵" ہزار کا لشکر جرار موجود تھا اور یہ لشکر جرار بندوقوں۔ توپوں اور دوسرے ضروری اسلحہ جنگ سے لیس تھا۔ ان دنوں سید احمد صاحب کو سکھوں کے خلاف جہاد کی کیوں نہ سوجھی تھی جب کہ امیر خان پنڈاری اس کے مشورہ پر ہر کام کرنے کو تیار تھا اس وقت تو دیوبندیوں کے ممدوح مجاہد اعظم سید احمد نے پچیس ہزار کے مسلح لشکر جرار سے امیر خان پنڈاری کو مجبور کر کے برٹش گورنمنٹ کی سازش کے تحت انگریزوں کے آگے ہتھیار ڈلوا دیئے۔ اور اب حال یہ ہے کہ چلے ہیں سکھوں کی حکومت سے ٹکر لینے تو ان کے نام نہاد مجاہدین کی تعداد کتنی ہے؟۔ صرف دو ہزار۔! اس کا مطلب سوائے اس کے اور کیا ہو سکتا ہے کہ سید احمد کے پیش نظر چونکہ بہر حال برصغیر میں اقتدار برطانیہ کو مستحکم کرنا تھا اس لئے اس نے حسب توقع وہی کچھ کیا جس سے انگریزوں کو فائدہ پہنچ سکتا تھا۔ اس لئے کہ حکومت برطانیہ کے استحکام کی صورت میں ہی وہابیہ کی دیرینہ خواہش اور دلی تمنا کی تکمیل ممکن نظر آتی تھی یعنی ایک مستحکم حکومت برطانیہ کے زیر سایہ ایک ریاست وہابیہ کا قیام"

سکھوں کے خلاف نعرۂ جہاد تو برائے نام تھا۔ یہی وجہ ہے کہ ان کی تحریک میں جو یمنی اور نجدی وہابی رضاکار شامل ہو گئے تھے انہیں مطمئن رکھنے کی خاطر سید احمد نے بہ الفاظ واضح اعلان کیا

Marfat.com

"کسی کا ملک چھین کر ہم بادشاہت کرنا نہیں چاہتے نہ انگریزوں کا نہ سکھوں کا" (تواریخ عجیبہ صفحہ ۹۱)

درحقیقت سید احمد اسماعیل دہلوی اور ان کے ساتھی وہابیہ کا اصل جہاد ان مسلمان سنی پٹھانوں کے خلاف تھا جو آئین وہابیہ کی رو سے بدعتی اور مشرک تھے علاوہ ازیں انہیں تو تمام ہندوستان، افغانستان، خراسان اور دوسرے علاقوں کے تمام سنی مسلمان سراسر بدعتی اور مشرک دکھائی دے رہے تھے وہابیہ کا اصل جہاد ان سب ہی کے خلاف تھا۔ "نواب وزیرالدولہ کی روایت ہے کہ سید صاحب بار بار فرمایا کرتے تھے کہ فیض ایمانی جو خلقت کو مجھ سے پہنچا ہے روز بروز ترقی پر رہیگا اور انشاء اللہ تعالیٰ ہندوستان اور خراسان چرک شرک اور پلیدی بدعت سے میرے ہاتھ سے کیسر پاک و صاف ہو کر انوار اسلام سے منور اور دیانت و امانت سے مالا مال ہو کر رشک افزائے زمین بن جائے گا" (تواریخ عجیبہ صفحہ ۹۲) نیز اسی کتاب کے اسی صفحہ پر ہے "سید محمد یعقوب آپ کے بھانجے سے روایت ہے کہ بوقت روانگی ملک خراسان آپ اپنی ہمشیرہ یعنی والدہ سید محمد یعقوب سے رخصت ہونے لگے تو آپ نے ان سے فرمایا کہ اے میری بہن میں نے تم کو خدا کے سپرد کیا اور یہ یاد رکھنا کہ جب تک ہند کا شرک اور ایران کا رفض اور چین کا کفر اور افغانستان کا نفاق میرے ہاتھ سے محو ہو کر ہر مردہ سنت زندہ نہ ہو لے گی اللہ رب العزت مجھ کو نہیں اٹھائے گا" پروپیگنڈہ باز وہابیہ کے نام نہاد مجاہد اعظم سید احمد کے اصل عزائم کیا تھے اور وہ کیا چاہتا تھا یہ اسی کے بیانات سے واضح ہے۔ نیز اس کے کردار سے اس کی تصدیق ہو جاتی ہے کہ اس کا جہاد حقیقۃ سکھوں کے خلاف نہیں تھا بلکہ وہ ابن عبدالوہاب نجدی کے نقش قدم پر چلتے ہوئے سنی مسلمانوں کو بزور شمشیر وہابی بنا دینا یا انہیں کچل دینا چاہتا تھا۔ غاصب حکمران انگریز سید احمد کی پشت پناہی اور مدد کر رہے تھے اس لئے کہ ملک کے جمہور مسلمان سنی (اہلسنت وجماعت) تھے اور ان ہی سے حکومت برطانیہ حقیقی خطرہ محسوس کرتی تھی۔ سید احمد کے نائب اسماعیل دہلوی نے اس سے قبل ہی سنی مسلمانوں کیخلاف مہم شروع کر رکھی تھی انہیں بات بات پر مشرک اور بدعتی کہتا۔ عقائد اہلسنت وجماعت کی برملا تردید کرتا اور انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام اور اولیائے عظام علیہم الرحمۃ کی شان میں تنقیص و توہین کر کے مسلمانوں میں انتشار و افتراق برپا کرنے میں مصروف تھا۔ ابن عبدالوہاب نجدی کی کتاب التوحید کا خلاصہ "تقویۃ الایمان" کے نام سے لکھ کر وہابیت کی نشر و اشاعت کر رہا تھا۔ مزید برآں، سنی مسلمانوں کو مرعوب کرنے کی خاطر اس نے بڑے بڑے غنڈوں اور جنادری بدمعاشوں کے سرغناؤں کو اپنی جاد و بھری تقریر سنا کے

Marfat.com

مرید کیا اور انہیں اپنا ایسا معتقد بنایا کہ وہ اپنی جان قربان کرنے پر آمادہ ہو گئے" حیات طیبہ
اسماعیل دہلوی نے اس طرح شہر دہلی اور دیگر شہروں میں شورش برپا کر رکھی تھی

فصل پنجم۔ سید احمد کی تقیہ بازی

سید احمد کے پاس جب تقریباً دو ہزار رضاکار جمع ہو گئے اور اس نے سرحدی علاقہ میں جانے کا فیصلہ کر لیا تو اس نے سوچ کر کہ سرحد کے پٹھان ہو کر پکے سُنّی ہیں وہ بآسانی وہابیت کو قبول یا برداشت نہیں کرینگے۔ لہٰذا اگر اسماعیل دہلوی اور اس کی خاص جماعت نے وہاں پہنچ کر بھی اپنی یہی سرگرمیاں جاری رکھیں تو پٹھان ہمیں وہابی جان کر ہم سے متنفر ہو جائیں گے اور ہمارے لیے وہاں قدم جمانا مشکل ہو جائیگا۔ اس مصلحت کے پیش نظر سید احمد نے اسماعیل دہلوی کو مناسب وقت تک کیلئے وہابیانہ حرکات سے باز رہنے کی تلقین کی۔ دیوبندی مولوی عبیداللہ صاحب لکھتے ہیں " بعد میں جب افغانی علاقہ میں ہجرت کا فیصلہ ہوا تو امیر سید احمد شہید نے مولینا اسماعیل سے دریافت کیا کہ مولینا آپ رفع یدین کیوں کرتے ہیں، مولینا اسماعیل نے کہا رضائے الٰہی حاصل کرنیکے لیے۔ امیر شہید نے کہا۔ مولینا اب رضائے الٰہی حاصل کرنے کیلئے رفع یدین کرنا چھوڑ دیجئے۔ اس کے بعد مولینا شہید کی خاص جماعت نے بھی انکی اطاعت میں یہ اعمال چھوڑ دئے " شاہ ولی اللہ اور انکی سیاسی تحریک ص۱۰۶)

المختصر۔ سید احمد اور اسکے ساتھی وہابیہ از روئے تقیہ سنیّت کے لبادے میں سُنّی پٹھانوں کے علاقہ سرحد میں داخل ہوئے۔ انہوں نے وہاں پہنچ کر۔ سکھوں کے خلاف جہاد اور غلبۂ اسلام کا پروپیگنڈہ شروع کر دیا۔ سیدھے سادے سُنّی پٹھانوں کو کیا خبر تھی۔ کہ یہ خوشنما نعرے بلند کرنے والے کٹر وہابی ہیں اور انگریزوں کی مدد سے اس علاقہ میں اپنی ریاست وہابیہ قائم کرنے کی فکر میں ہیں۔ انہوں نے انہیں صحیح مسلمان اور مجاہد سمجھ کر ان کی مہمان نوازی اور خاطر مدارات میں کوئی کسر اٹھا نہ رکھی اور انکی ہر طرح مدد کرنے لگے۔ یہاں تک کہ جذبہ جہاد سے سرشار ہو کر انہوں نے سید احمد کو اپنا امیر بھی تسلیم کر لیا۔ مولوی عبیداللہ صاحب سندھی لکھتے ہیں " الغرض ۱۲۴۱ھ ہجری میں ہجرت شروع ہوئی اور ۱۲ جمادی الاخریٰ ۱۲۴۲ھ ہجری (۱۰ جنوری ۱۸۲۷ء) کو افغانی قبائل نے بھی (ھُنڈ) کے مقام پر سید احمد شہید

کو اپنا امیر مان لیا" (شاہ ولی اللہ اور ان کی سیاسی تحریک ص ۹۹)

فصل ششم۔ سید احمد کی حکومت کا قیام اور اسکی کیفیت

یہ مشکل مرحلہ سر کر لینے کے بعد سید احمد نے اپنی سربراہی میں مختصر سے علاقہ پر مشتمل حکومت تشکیل دی اس طور پر کہ تمام تر اقتدار اس کے اور اس کے ساتھیوں کے ہاتھ میں رہے پٹھانوں کو کلیدی مناصب سے دور رکھا گیا۔ سید احمد صاحب خود سربراہ بنے، اسماعیل دہلوی کو فوج کا کمانڈر انچیف بنایا اور باقی تمام عہدوں پر بھی اپنے ساتھیوں کو فائز کر دیا اس کے نتیجے میں سید احمد کے ساتھی خود کو حاکم اور مقامی باشندوں کو محکوم سمجھنے لگے تاہم ایک سال بخیر و خوبی گذر گیا۔ مولوی عبید اللہ سندھی لکھتے ہیں "اس کے ایک سال تک مولانا عبدالحئی زندہ رہے ان کی موجودگی میں کوئی فتنہ پیدا نہیں ہوا سید احمد شہید ان کے سامنے اپنی ذاتی رائے پر عمل نہیں کر سکتے تھے بلکہ اجتماعی فیصلہ پر حکومت کا تمام تر دار و مدار تھا"۔ (شاہ ولی اللہ اور ان کی سیاسی تحریک ص ۹۹-۱۰۰)

مولوی عبدالحئی کی وفات کے بعد سید احمد اور اسماعیل دہلوی نشہ اقتدار میں بدمست ہو کر ڈکٹیٹر بن گئے۔ ان کی ذاتی رائے کو آئین مملکت اور ان کے ہر فرمان کو قانون کا مقام حاصل ہو گیا۔

فصل ہفتم۔ حکمران وہابیہ اور پٹھانوں کے درمیان اختلاف کا آغاز اور اس کی اصل وجہ!

پٹھانوں نے سید احمد کی متعصبانہ ذہنیت اور تنگ نظری کا کوئی نوٹس نہیں لیا تھا وہ بڑی فراخدلی کے ساتھ جہاد اور غلبۂ اسلام کے بلند نصب العین کے پیش نظر ان کی حاکمانہ حیثیت کو بھی قبول کر گئے تھے لیکن اسماعیل دہلوی اور دیگر وہابی جو مصلحت اور دباؤ کی وجہ سے تا حال وہابیہ عقائد و اعمال کو بامر مجبوری دبائے ہوئے تھے اس حالت پر قائم نہ رہ سکے انہوں نے حاکمانہ رعب داب کے ساتھ عقائد وہابیہ کی تبلیغ شروع کر دی اور یہ لوگ سنیت کا لبادہ اتار کر اپنی اصلی صورت میں نمودار ہو گئے۔

سنی پٹھان جو ان کے فریب میں آ کر ان سے تعاون کر رہے تھے ان کی وہابیت کو دیکھ کر حیران و ششدر رہ گئے۔ افغان علمائے اہلسنت نے بھی جب یہ دیکھا کہ یہ لوگ انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام اور اولیاء عظام کے انتہائی بے ادب اور گستاخ وہابی ہیں تو وہ بھی ان کی مخالفت اور

تردید پر کمر بستہ ہو گئے اس طرح کشمکش بڑھنے لگی۔

مولوی عبید اللہ سندھی رقمطراز ہیں «اس اساسی تغیر سے یہ ہوا کہ حزب ولی اللہ کی خصوصیات پر زور نہ دیا جاتا بلکہ نجدی اور یمنی طریقوں پر کام کرنے والے ہندوستانی تو حنفی فقہ کی پابندی بھی اپنے لئے ضروری نہ سمجھتے اس کی وجہ سے افغانوں کی ان مجاہدین سے مذہبی عداوت ہو گئی امیر سید احمد شہید نے بارہا علمائے افاغنہ وعوام کو یہ یقین دلانے کی کوشش کی کہ امیر اور ان کا خاندان ہمیشہ محققین حنفیہ کے طریقہ پر پابند ہے مگر یہ لوگ (وہابی) بجز حزب ولی اللہ کی امتیازی خصوصیات کی پابندی کو قبول کرتے اور اسی طرح معاملہ روز بروز بگڑتا ہی چلا گیا۔»

(شاہ ولی اللہ اور ان کی سیاسی تحریک ص)

فصل ہشتم سنی پٹھانوں پر وہابیوں کے ظلم وستم کی انتہا

اب صورت حال یہ تھی کہ سید احمد۔ اسماعیل دہلوی اور ان کی جماعت سرکے حکمران (وہابی) اپنی حکومت کے زیر اثر سنی پٹھانوں کو وہابیت قبول کرنے پر مجبور کر رہے تھے لیکن پٹھان کسی صورت عقائد اہلسنت وجماعت سے انحراف پر آمادہ نہ تھے۔ سید احمد کے نام نہاد مجاہدین نے جب یہ دیکھا کہ سنی پٹھان ان کے آگے جھکنے پر آمادہ نہیں ہیں تو انہوں نے ان پر ناقابل بیان مظالم ڈھانے شروع کئے انہیں حیلوں بہانوں سے پریشان اور تنگ کرنا روزمرہ کا معمول بن گیا۔ وہابی مورخ مرزا حیرت دہلوی لکھتا ہے "ایک ایک چھوٹے ضلع، قصبہ گاؤں میں ایک ایک عامل سید صاحب کی طرف سے مقرر ہوا تھا وہ بیچارہ جہانداری کیا خاک کر سکتا اتنے سیدھے شریعت کی آڑ میں نئے نئے احکام بیچارے کسانوں پر جاری کرتا تھا اور وہ اف نہ کر سکتے تھے۔ کھانا۔ پینا۔ بیٹھنا۔ اٹھنا۔ شادی کرنا سب ان پر حرام ہو گیا تھا نہ کوئی منتظم نہ کوئی داد رس۔ معمولی باتوں پر کفر کا فتویٰ جاری ہو جانا کچھ بات ہی نہ تھا۔ کاش مولانا سید پشاور کے عامل ہوتے تو پشاوریوں پر یہ ظلم نہ ہوتا۔ کسی کی لبیں بڑھی ہوئی دیکھیں اس کے سب بال کتروا دیئے۔ ٹخنوں کے نیچے تہبند دیکھی ٹخنہ اڑا دیا تمام ملک پشاور پر آفت چھا رہی تھی" (حیات طیبہ ص۲۵۶)

پھر ذرا آگے چل کر اسی صفحہ پر ہے «اور پھر غضب یہ تھا کہ ان پر کوئی حاکم مقرر نہ تھا کہ جس کے آگے ان کی اپیل ملا حکام کے آگے پیش کرے»، مشہور مورخ شیخ محمد اکرام صاحب ایم۔ اے کا بیان بھی ملاحظہ ہو «اس میں کوئی شبہ نہیں کہ سید صاحب کے بعض ساتھیوں کا رویہ ہمدردی اور معاملہ فہمی کا نہ

تھا۔ بلکہ وہ جلد ہی فاتحانہ تشدد پر اتر آئے مثلاً خان اللہ بخش جی سید صاحب کے مقرر کردہ قاضی صاحب کی نسبت لکھتے ہیں ایک موقعہ پر جب مذکورہ جماعت کے ایک قاضی سید محمد جہان کے اس ارشاد پر کہ جو اہل رسوم خدا اور رسول کے حکم کے خلاف باپ دادا کی ریت پر چلتے ہیں وہ عملاً کافر ہیں۔ کسی نے کہہ دیا کہ منیۃ المصلی میں اہل رسوم کو کافر نہیں کہا گیا تو اس کا جواب گھونسوں سے دیا گیا اور قاضی موصوف نے اس وقت تک معترض کو نہ چھوڑا جب تک اس نے دوبارہ کلمہ نہ پڑھ لیا یا بہ الفاظ واضح تر اسے دوبارہ مسلمان بنایا گیا،، نیز یہی صاحب ایک دوسرے مقام پر لکھتے ہیں " لیکن مجاہدین اور مقامی باشندوں میں تو بنیادی نقطہ نظر کا اختلاف تھا قبائل کو جو رسمیں عزیز تھیں وہ مجاہدین کے نزدیک کفر تھیں" (موج کوثر ص۲۱)

مرزا حیرت دہلوی نے حکمران وہابیہ کے مظالم کا دردناک نقشہ کھینچ کر لکھا ہے کاش مولانا سید پشاور کے عامل ہوتے تو پشاوریوں پر یہ ظلم نہ ہوتا" اس فقرے سے یہ تاثر دینا مقصود ہے کہ سنی پٹھانوں پر ظلم وستم کرنے والے غیر ذمہ دار قسم کے لوگ تھے۔ اور اسماعیل دہلوی بڑے رحم دل اور عدل وانصاف کے علمبردار تھے۔ ممکن ہے کہ قارئین اس فقرہ سے غلط فہمی کا شکار ہو جائیں اس لئے فقیر اس مقام پر اسماعیل دہلوی کی رحم دلی اور اس کے عدل وانصاف کا صرف ایک نمونہ پیش کر دینا ہی کافی سمجھتا ہے۔ وہابی مقدمہ نویس اسماعیل دہلوی کے حالات میں لکھتا ہے" دوران زمانہ جہاد میں آپ کی عادت تھی کہ گلے میں حمائل اور کمر میں تلوار لٹکائے رکھتے کوئی مسئلہ پوچھنے آتا تو قرآن سے نکال فرماتے اور آیہ نکال کر دکھلاتے اور سنت سے اس کی تائید فرماتے پھر بھی اگر کوئی کج فہم اپنی ہٹ دھرمی پر قائم رہتا تو تلوار سے اس کا سر قلم کر دیا کرتے تھے" (مقدمہ تقویۃ الایمان ص)

سید احمد اور اسماعیل دہلوی کی تعریف میں زمین آسمان کے قلابے ملا دینے والے بتائیں کہ ان کی اس خونریزی اور مسلم کشی کا کیا جواز ہے؟ دراصل مذہب وہابیہ کی رو سے دنیا کے تمام سنی مسلمان بدعتی، مشرک، کافر اور لائق گردن زدنی ہیں ان کے مسلک میں جو شخص ان کی تاویلات فاسدہ کو تسلیم نہ کرے اور ان کے عقائد باطلہ کو قبول نہ کرے وہابیہ کے نزدیک اس کا قتل واجب اور کار ثواب ہے مگر خود وہابیہ کس حد تک قرآن وحدیث پر عمل کرنے یا کہاں تک احکام قرآن وحدیث کو سمجھتے ہیں فقیر اس بحث میں پڑنے کے بجائے تاریخی حقائق کی روشنی میں ان کے اعمال وکردار کا مزید جائزہ

Marfat.com

پیش کر دینا مناسب سمجھتا ہے۔ دیوبندی مولوی عبید اللہ صاحب سندھی لکھتے ہیں "فکری اعتبار سے ایک تو یہ نزاع تھا جو اس وقت ایک طرف افغانوں میں اور دوسری طرف نجدی اور یمنی ذہنیت سے متاثر ہندوستانیوں میں پیدا ہو گیا تھا لیکن عملی زندگی میں بھی اس کی وجہ سے بعض قباحتیں ظاہر ہوئیں۔ اس میں شک نہیں کہ افغان شرفاء دوسری مسلم قوموں کے شرفاء سے رشتہ ناطہ معیوب نہیں سمجھتے چنانچہ ہندوستانی مہاجرین اپنے ساتھ اہل و عیال تو لے نہیں گئے تھے اس لئے جب یہ لوگ مستقل طور پر افغانی علاقوں میں رہنے لگے تو ان کی شادی بیاہ افغانوں کے ساتھ ہونے لگے مگر خرابی یہ ہوئی کہ امیر شہید کے دعوئے خلافت کی اشاعت کرنے والے ہندوستانی اپنی حاکمانہ قوت دکھا کر بہ جبر افغان لڑکیوں سے نکاح کرنے لگے" (شاہ ولی اللہ اور ان کی سیاسی تحریک ص۱۱۱)

اس اجمال کی تفصیل کے لئے وہابی مورخ مرزا حیرت دہلوی کا بیان ملاحظہ ہو

"احکام شریعت ناگوار صورت میں پبلک کے آگے پیش کئے جاتے تھے سید صاحب نے صدہا غازیوں کو مختلف عہدوں پر مقرر فرمایا تھا کہ وہ "شرع محمدی" کے موافق عملدرآمد کریں مگر انکی سختیاں حد سے بڑھ گئی تھیں اور بعض اوقات بیوہ خواتین کو مجبور کرتے تھے کہ ان سے نکاح کریں اکثر بیوائیں جو بعض حالات میں نکاح ثانی کرنا پسند نہ کرتیں زبردستی مسجد میں لے جا کر نکاح پڑھا جاتا" (حیات طیبہ ص۳۵۵)

قرآن و سنت کی رو سے انعقاد نکاح کے لئے بالغ طرفین کی رضامندی اور گواہوں کے روبرو بلا جبر و اکراہ ایجاب و قبول شرط ہے لیکن وہابیہ کی "شرع محمدی" کا نمونہ آپ دیکھ رہے ہیں کہ بقول مولوی محمد عبید اللہ سندھی سید احمد اور اسمٰعیل دہلوی کے نام نہاد مجاہدین اپنی حاکمانہ قوت دکھا کر بہ جبر و اکراہ افغان لڑکیوں سے نکاح کرنے لگے اور بقول مرزا حیرت دہلوی اکثر بیوائیں جو بعض حالات میں نکاح ثانی کرنا پسند نہ کرتیں زبردستی مسجد میں لے جا کر نکاح پڑھا

حاشیہ ۱ مسلک وہابیہ میں "شرع محمدی" سے مراد وہابیہ کے وہ خانہ ساز اصول اور من گھڑت قوانین ہیں جو یہ لوگ حسب ضرورت گھڑ لیں پھر خواہ ان کے یہ اصول اور قوانین، قرآن و سنت کے خلاف ہی کیوں نہ ہوں۔ یہ انہیں "شرع محمدی" ہی کہتے چلے جائیں گے (مؤلف)

Marfat.com

جاتا، یعنی اگرچہ لڑکی نکاح کرنے پر رضامند نہیں بلکہ انکاری ہے اور جو وہابی مجاہد اسے کھینچ رہا ہے اس سے متنفر ہے اور خود کو اس کی زوجیت میں دینے کے لئے ہرگز تیار نہیں۔ لڑکی کے والدین یا وارث بھی اپنی لڑکی کو اس کے نکاح میں دینے سے شدت کے ساتھ انکار کرتے ہیں مگر وہابی مجاہد صاحب ہیں کہ لڑکی اور اس کے والدین اور وارثوں کو قتل و غارت کر دینے کی دھمکیاں دے کر اپنے خونخوار نفس پرست مسلح ہمراہیوں کی مدد سے تلواروں کے سائے میں لڑکی کو زبردستی اٹھا کر یا کھینچ کھانچ کر مسجد میں لے آتے ہیں اور خود ہی یک طرفہ اعلان فرما دیتے ہیں کہ ما بدولت نے اس لڑکی کو اپنی زوجیت میں قبول فرما لیا ہے اور اس جبری کارروائی کو سرانجام دے کر اس بے بس مجبور لڑکی کو بطور بیوی کے استعمال کرنے لگتے ہیں، نعوذ باللہ من ذالک، لاحول ولا قوۃ الا باللہ

مرزا حیرت دہلوی مزید لکھتا ہے " ایک نوجوان خاتون نہیں چاہتی کہ میرا نکاح ثانی ہو مگر مجاہد صاحب زور دے رہے ہیں کہ نہیں، ہونا چاہیے۔ آخر ماں باپ اپنی نوجوان لڑکی کو حوالہ مجاہد کرنے بجز اس کے سوا ان کو کچھ چارہ نہ تھا" (حیات طیبہ ص ۳۵۵) قارئین غور فرمائیں کہ وہابی مورخ کی اس مختصر سی عبارت میں کس قدر دردناک داستانیں اور وہابی مجاہدین کی کتنی شرمناک کارروائیاں مضمر ہیں۔

الغرض یہ ہے وہابیہ کے ممدوح سید احمد صاحب کی چند روزہ حکومت الٰہیہ کی ایک ادنیٰ سی جھلک جس کا ڈھنڈورہ وہابی ڈھنڈورچی شب و روز پیٹتے ہیں مصنف تذکرہ تبسم چوہدری کس دھڑلے سے دعویٰ فرماتے ہیں " آپ نے انگریزوں اور سکھوں سے جہاد کے لئے مسلمانوں کو منظم کیا تاکہ حکومت الٰہیہ کے قیام کی راہ ہموار کی جائے " (تذکرہ ص ۱۱۱) قارئین بہ نظر انصاف غور فرمائیں کہ چوہدری صاحب اپنے دعویٰ میں کہاں تک حق بجانب ہیں ان کے اس نقش برآب دعوے کا کوئی ثبوت تاریخی واقعات سے نہیں ملتا بلکہ سید احمد اور اسماعیل دہلوی کے انگریزوں سے وفاداری کے اعلانات اور ان کے کردار سے معاملہ برعکس نظر آتا ہے اور جہاں تک سکھوں کے خلاف ان کے نام نہاد جہاد کا تعلق ہے اس کی اصلیت واضح ہو چکی کہ یہ بھی محض ایک نمائشی ڈرامہ ہی تھا جو انگریزوں کے مشورے اور ان کی اجازت سے انگریزوں ہی کے مفاد میں کھیلا گیا تھا۔

اس امر کی تائید مزید کے طور پر مندرجہ ذیل حوالہ ملاحظہ ہو۔ جس سے یہ بات

قطعی طور پر پایۂ ثبوت تک پہنچتا ہے کہ سید احمد کا سکھوں کے خلاف نام نہاد جہاد حقیقتاً حکومت برطانیہ کی ہی جنگ تھی جو سید احمد اور اس کی تحریک کی آڑ میں لڑی جا رہی تھی تاکہ سکھوں کو پریشان کر کے حکومت برطانیہ کے ساتھ من مانی شرائط پر معاہدہ کر لینے پر مجبور کیا جا سکے۔ چنانچہ ۱۸۴۶ء میں جب سکھوں سے انگریزوں کا معاہدہ ہو گیا تو انگریز حکام نے نام نہاد مجاہدین کے امیر کو حکم بھیجا کہ اب جنگ بند کر دی جائے۔ حکم پہنچتے ہی سید احمد کے جانشین وہابیہ نے جنگ بند کر دی اور خود انگریز حکام کی خدمت میں حاضر ہو کر ہتھیار واپس کر دیے۔ انگریزوں نے ان کی خدمات کے اعتراف میں ان کا شاندار استقبال کیا۔ انہیں دعوتیں کھلائیں اور نقد معاوضہ بھی ادا کر دیا۔

سید احمد کی تحریک مجاہدین کے سرگرم کارکن محمد جعفر تھانیسری کا بیان ہے کہ

"جب گلاب سنگھ اور سرکار انگریزی کا آپس میں معاہدہ ہو گیا تو اس وقت سرکار انگریزی نے ایک خط بنام مولوی ولایت علی صاحب کو لکھا کہ اب گلاب سنگھ سرکار انگریزی کی حمایت میں ہے اس وقت اس سے لڑنا گویا گورنمنٹ سے لڑنا ہے لہٰذا تم کو چاہیے کہ اس کے ساتھ لڑائی بند کر دو۔"

(حیات سید احمد شہید ص ۳۴۴)

اس کے بعد مجاہدین نے لڑائی بند کر دی ہتھیار سرکار کے پاس جمع کرا دیے اور قیمت وصول کر لی انگریزوں نے مجاہدین کا شاندار استقبال کیا اور ان کی دعوتیں بھی کیں۔

(ملخصاً۔ حیات سید احمد شہید ص ۲۴۱)

اور پھر جب سکھوں کو شکست دے کر انگریزوں نے پنجاب فتح کر لیا تو سید احمد کے متبعین نے اعلان کیا کہ "سلطنت پنجاب متعصب اور ظالم سکھوں کے ہاتھ سے نکل کر ایک ایسی عادل اور آزاد اور لامذہب قوم کے ہاتھ میں آ گئی کہ جس کو ہم مسلمان (وہابی) اپنے ہاتھ پر فتح ہونا تصور کر سکتے ہیں۔" (حیات سید احمد شہید ص ۲۹۱)

فقیر کے خیال میں اس قدر کھلی وضاحت کی مزید وضاحت تحصیل حاصل ہے۔

جن دنوں سید احمد اور اس کے ساتھی سرحدی پٹھانوں پر مذکورہ بالا مظالم ڈھا رہے تھے انگریز سید احمد کو برابر امداد بہم پہنچا رہے تھے۔ وہابی مصنف مسعود عالم ندوی کا بیان ہے کہ

"انگریز مورخ ہنٹر ایک جگہ لکھتا ہے کہ بعض کارخانوں کے مسلمان ملازم اپنے انگریز مالکوں سے

Marfat.com

چھٹی لے کر جہاد کو جایا کرتے تھے۔ سرسید نے ایک اور دلچسپ واقعہ کا ذکر کیا ہے۔ دہلی کے ایک ہندو مہاجن نے جس کے پاس جہادیوں کی امدادی رقمیں جمع تھیں کچھ غبن کیا تو مولانا شاہ محمد اسحاق نے مسٹر ولیم فریزر کمشنر دہلی کے اجلاس میں نالش کی اور مدعی کے حق میں ڈگری ہوئی وصول شدہ رقم پھر دوسرے ذریعہ سے سرحد کو بھیجی گئی اس مقدمے کا اپیل صدر کورٹ الہ آباد میں ہوا وہاں بھی عدالت ماتحت کا فیصلہ بحال رہا" (ہندوستان کی پہلی اسلامی تحریک صفحہ ۱۲۵-۱۲۶)

اس بیان سے واضح ہوتا ہے کہ برٹش گورنمنٹ کی انتظامیہ، عدلیہ، سول سروس اور انگریز کارخانہ دار تک سب جانتے تھے کہ سید احمد اور اس کے ساتھی حکومت برطانیہ کے مشن کی تکمیل میں مصروف عمل ہیں لہٰذا یہ سبھی ان کی پشت پناہی اور امداد کر رہے تھے اور پھر سید احمد صاحب جب سرحد کے سنی پٹھانوں کو فریب دے کر اپنی حکومت الٰہیہ قائم کر لینے میں کامیاب ہو گئے تو انہوں نے سکھوں سے آغاز جہاد کرنے کے بجائے سنی پٹھانوں ہی کے خلاف جہاد کی مشق فرمانا شروع کر دی۔ اپنے عہدیداران حکومت کے ذریعہ انہی پر نہایت بے رحمی کے ساتھ ظلم وستم فرمانے لگے۔ سنی پٹھانوں کی اس مظلومیت پر اگر کسی پٹھان سردار نے احتجاج کیا تو سید احمد اور اسماعیل دہلوی کے نام نہاد مجاہدین اسی پر ٹوٹ پڑے اور اس پٹھان سردار کے خلاف جہاد شروع کر دیا گیا۔ دیوبندی مولوی عاشق الٰہی صاحب کا بیان ہے کہ "سید صاحب نے پہلا جہاد مسمی یار محمد خان حاکم یاغستان سے کیا تھا" (تذکرۃ الرشید ج ۲ صفحہ ۲۷۰)

فصل نہم۔ سید احمد کی حکومت کا خاتمہ

قارئین غیر جانبداری کے ساتھ سوچیں کہ سید احمد، اسماعیل دہلوی اور ان کی حکومت کے عہدیداروں کے ناقابل بیان مظالم اور شرمناک تشدد کو بہادر و غیور سنی پٹھان آخر کہاں تک برداشت کرتے اور کیا اگر کوئی بھی حکومت ہم آپ کے ساتھ ایسا برتاؤ اور یہی سلوک کرے تو ایمان سے کہیے کہ ہم آپ ایسی بدکردار، ظالم و جابر حکومت کو برضا و رغبت برداشت کر لیں گے۔؟

پس جب پٹھانوں پر وہابیوں کے مظالم کی انتہا ہو گئی اور انہیں یقین ہو گیا کہ جن لوگوں کو ہم نے مجاہدین اسلام سمجھ کر جذبۂ اسلامی کے تحت ہر ممکن مدد دی وہی ہماری جان، مال

Marfat.com

عزت و آبرو لوٹنے اور ہمارے دین ایمان کو غارت کر دینے کے درپے ہیں اور افہام و تفہیم اور اصلاح احوال کی کچھ گنجائش بھی باقی نہیں رہی تو انہوں نے ان نام نہاد مجاہدین، خونخوار اور ظالم وہابیوں کے منحوس غلبہ و تسلط سے نجات حاصل کرنے کے لئے ایک بھرپور مدافعانہ تدبیر کی جس کے نتیجے میں سید احمد کی حکومت وہابیہ کا خاتمہ ہو گیا۔ دیوبندی مولوی محمد عبید اللہ صاحب سندھی لکھتے ہیں۔ "چنانچہ ایک معین رات میں امیر شہید کے تمام مقرر کردہ اہل مناصب قتل کر دیئے گئے اور حکومت کا خاتمہ ہو گیا۔ امیر شہید اس واقعہ سے کہ قاضی، مفتی، حاکم، سپاہی غرض ساری جماعت قتل کر دی گئی تھی بہت متاثر ہوئے" (شاہ ولی اللہ اور ان کی سیاسی تحریک ص۱۱۵-۱۱۶)

اس تمام صورت حال کے پیش نظر مصنف تذکرہ پیر دھری مبسم کا یہ فرمانا کہ "سید احمد کی تحریک مجاہدین نے باقاعدہ جہاد سے انگریزوں اور سکھوں کو خطرات سے دوچار کر دیا اور اگر بعض غدار پشاوری سردار اپنے کمینہ پن سے کام نہ لیتے تو سکھوں کی حکومت کا تختہ الٹ دیا جاتا"۔ (تذکرہ پیران پاگارہ ص۱۴۲)

اس کا جواب فقیر منصف مزاج قارئین کرام پر چھوڑتا ہے۔ وہ خود فیصلہ کریں کہ غدار کون تھے اور کن لوگوں نے کمینہ پن سے کام لیا تھا۔ و باللہ التوفیق

بفضلہ تعالیٰ ثم بفضل رسولہ الاعلیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام مصنف تذکرہ کے پانچ دعووں کا ابطال مکمل ہو گیا جو اس نے بڑے طمطراق کے ساتھ کئے کہ

۱۔ سید احمد برصغیر پاک و ہند میں تحریک آزادی بانی اور آزادی کا علمبردار تھا۔

۲۔ سید احمد اور اسماعیل دہلوی نے سکھوں اور انگریزوں کے خلاف جہاد کے لئے مسلمانوں کو منظم کیا۔

۳۔ سید احمد اور اسماعیل دہلوی نے سکھوں اور انگریزوں کے خلاف جہاد کیا

۴۔ سید احمد اور اس کے ساتھی ملک میں حکومت الہیہ قائم کرنا چاہتے تھے۔

۵۔ سید احمد کی تحریک مجاہدین نے باقاعدہ جہاد سے انگریزوں اور سکھوں کو خطرات سے دوچار کر دیا اور اگر بعض غدار پشاوری سردار اپنے کمینہ پن سے کام نہ لیتے تو سکھوں کی حکومت کا تختہ الٹ دیا جاتا۔

Marfat.com

تاریخی حقائق سے مکمل طور پر ثابت ہو گیا کہ مصنف تذکرہ کے یہ دعوے سراسر غلط اور بے بنیاد ہیں۔

فصل دہم۔ مصنف تذکرہ کے باقی تین دعوؤں کا ابطال

مصنف تذکرہ پیران پاگارہ چوہدری بسم صاحب کے مندرجہ ذیل تین دعوے بھی کلیتہً واقعات کے خلاف بے حقیقت۔ اور نقش برآب کے مصداق ہیں مصنف تذکرہ نے بڑی بے باکی سے دعویٰ کیا ہے کہ

۱۔ سید احمد نے حضرت پیر صبغت اللہ شاہ اول علیہ الرحمۃ کو جہاد آزادی کی راہ دکھائی

۲۔ سید احمد کی تحریک کے اثرات کی وجہ سے ہی حکومت برطانیہ کے خلاف جنگ آزادی ۱۸۵۷ء برپا ہوئی۔

۳۔ سید احمد کی دکھائی ہوئی راہ پر چل کر ہی قائدین مسلم لیگ پاکستان حاصل کرنے میں کامیاب ہوئے

پیر صاحب پاگارہ اور وہابی

جہاں تک مصنف تذکرہ کے اس دعویٰ کا تعلق ہے کہ سید احمد رائے بریلوی نے پیر صاحب پاگارہ علیہ الرحمۃ کو جہاد کی راہ دکھائی اس کی مفصل و مدلل تردید باب اول کی فصل ششم میں ہو چکی تاہم تردید مزید کے طور پر صرف اسی قدر سمجھ لینا ہی کافی ہے کہ جب کہ تاریخی واقعات اور ناقابل تردید شواہد سے یہ امر بالبداہت ثابت ہے کہ سید احمد از اول تا آخر ہر لحاظ سے انگریزوں کا وفادار، خدمت گار اور جانثار رہا اور برطانوی اقتدار کے استحکام کی خاطر بھرپور خدمات سرانجام دیتا رہا ہے۔ نیز یہ کہ سکھوں کے خلاف اس کا نعرہ جہاد بھی انگریزوں کے مشورہ و اجازت سے اور انگریزوں ہی کے مفاد میں تھا تو ایسے شخص کو مجاہد کہنا ہی غلط ہے پس جب کہ سید احمد خود ہی مجاہد فی سبیل اللہ نہیں تھا تو پھر یہ کتنا ستم ظریفی کی بات ہے کہ اسے ایک جلیل القدر ولی اللہ، مجاہد فی سبیل اللہ اور عظیم المرتبت راہنما

Marfat.com

کو جہاد کی راہ دکھانے والا قرار دے دیا جائے

ہر کہ او خود گم ست کرا رہبری کند

بات دراصل یہ ہے کہ ملک وملّت کی آزادی، اسلام کی سربلندی اور برطانوی استعمار کو ملک بدر کردینے کے سلسلہ میں واجب الاحترام پیران پاگارہ کی مخلصانہ جدوجہد انگریزوں کی طاغوتی قوت کا مردانہ وار مقابلہ فرنگی افواج سے کھلی جنگ اور ان کے مریدان باصفا عمر مجاہدین کی محیر العقول شاندار کاروائیاں اور بے نظیر قربانیاں اقوام عالم میں مشہور و معروف ہیں ان کی ہمت و مردانگی جرأت وشجاعت جوش جہاد و ذوق شہادت کی عظیم داستانیں زبان زد خلائق ہیں ان کے جذبۂ حریت اور ان کی اصول پسندی کو اپنے بیگانے سلام کرتے اور ان کے بے مثال کارناموں کو بطور ایک نادر مثال کے پیش کرتے ہیں۔ چونکہ پیران پاگارہ اور ان کے متوسلین کو تاریخ عالم اور تاریخ اسلام میں نہایت ہی بلند مقام حاصل ہے۔ اس لئے خدمات ملک وملت سے تہی دامن اور مفلس وہابی، سید احمد اور اسماعیل دہلوی کا تعلق ان برگزیدہ ہستیوں سے جوڑ کر یہ ثابت کرنے کی مجنونانہ کوشش کرتے ہیں کہ

ہم بھی ہیں پانچویں سواروں میں

حالانکہ سید احمد اور اس کے ساتھیوں کا عالی مقام پیران پاگارہ اور حر مجاہدین سے کچھ بھی تعلق نہیں ہے

چہ نسبت خاک را با عالم پاک - !

تاہم زیادہ افسوس اس بات پر ہے کہ یہ لوگ اپنے پیشروؤں کا پیران پاگارہ سے تعلق جوڑنے کے جوش ہی اپنے ہوش تک گم کر بیٹھتے ہیں اور اپنے اس جنون میں حد سے بھی اس قدر آگے بڑھ جاتے ہیں کہ خود فراموشی کے عالم میں سید احمد اور اسماعیل دہلوی کو پیران پاگارہ کے استاد و راہنما تک قرار دے ڈالتے ہیں۔

وہابی صاحبان اتنا بھی سوچنے کی زحمت گوارا نہیں فرماتے کہ اگر کسی واقف حال نے آئینہ ان کے سامنے رکھ کر یہ کہہ دیا کہ

زنگی قدرے خود را بشناس - ! تو پھر کہاں منہ چھپاتے پھریں گے۔

Marfat.com

جنگ آزادی ۱۸۵۷ء اور وہابی

مصنف تذکرہ کا یہ دعویٰ بھی ہے کہ سید احمد کی تحریک کے اثرات کی وجہ سے حکومت برطانیہ کے خلاف جنگ آزادی ۱۸۵۷ء برپا ہوئی اصولی طور پر کسی شخص کے اثرات کا جائزہ لینا ہو تو اس شخص کے اقوال و اعمال اور اس کے کردار کو جانچنا ہوتا ہے اور اگر کسی تحریک کے اثرات معلوم کرنے ہوں تو اس تحریک میں شامل افراد کے کارناموں کو پرکھنا پڑتا ہے اور پھر مجموعی لحاظ سے دیکھا جاتا ہے کہ اس تحریک اور اس کے قائدین کے ہم مسلک متبعین اور ہم خیال متاثرین نے اس تأثر کے تحت کیا کچھ کیا۔ گذشتہ اوراق میں سید احمد اور اسماعیل دہلوی کے اقوال و اعلانات اور ان کے افعال و کردار پر معتبر و مستند حوالہ جات کے ساتھ روشنی ڈالی جا چکی ہے اور ان کی تحریک مجاہدین میں شامل نام نہاد مجاہدین کے کارنامے بھی قارئین ملاحظہ فرما چکے ہیں ان تمام باتوں کو یہاں دہرانا بے سود ہے۔

لہٰذا اب آیئے کہ تحریک مجاہدین سے متاثرین اور اس کے قائدین سید احمد اور اسماعیل دہلوی کے متبعین ہم مسلک اور ہم خیال صاحبان نے جو تاریخی کارنامے سرانجام دیئے ہیں ان کو بھی دیکھ لیا جائے۔

نام نہاد تحریک مجاہدین کے امیر سید احمد نے اگر اپنے نائب اسماعیل دہلوی اور تحریک کے نام نہاد مجاہدین کے ہمراہ پہلا جہاد مسمی یار محمد خان حاکم یاغستان سے کیا تھا (ملاحظہ ہو تذکرۃ الرشید ص ۲۷/۲) تو سید احمد کے جانشین خلیفہ مولوی نصیر الدین منگلوری نے ایک مقامی رئیس فتح خان پنجتاری سے لڑائی کے دوران میں ۱۸۴۰ء کے قریب شہادت پائی۔ (موج کوثر ص ۱۶) اور پھر اس تحریک کے متاثرین میں سے سید احمد کے ایک اور جانشین خلیفہ مولوی عنایت علی نے ۱۲۶۹ھ / ۱۸۵۲ء میں "جہاں داد خان" والی امب سے جہاد فرمایا

(ہندوستان کی پہلی اسلامی تحریک ص ۲۵۰)

نیز ۱۸۵۷ء کی جنگ آزادی کے دوران سید احمد اور اسماعیل دہلوی اور ان کی

Marfat.com

تحریک کے اثرات نے جو کرشمے دکھائے ان کی بھی ایک جھلک دیکھ لیجئے۔ دیوبندیوں کے امام مولوی رشید احمد صاحب گنگوہی کے حقیقی ماموں اور خسر مولوی محمد تقی صاحب کے متعلق دیوبندی مولوی عاشق الٰہی صاحب لکھتے ہیں "مولانا ممدوح جھجر کی ریاست میں فوجی ملازم تھے اور آقا کے ہاں نشانہ خیر خواہ" ایام غدر میں آپ مفسدین[1] کے ساتھ نہ تھے بلکہ اس جماعت میں تھے جس کے غنیم[2] سے لڑنے کی غرض سے دو حصے کر دیئے گئے تھے ایک دستہ آج میدان جنگ میں جائے تو کل کو دوسرا۔ آپ بہ لحاظ تقسیم ایک گروہ میں منقسم ہوئے تھے مگر شوق شہادت اور سرکار (انگریزی) کی جاں نثاری میں مقتول ہو جانے کی تمنا آپ پر اس درجہ غالب تھی کہ ہر دو گروہ میں شریک ہوتے اور روزانہ میدان جنگ میں چلے آیا کرتے تھے دل اشتیاق وصال میں بیتاب ہوتا تھا اور قلب انتظار حصول لقا میں بے چین دن بھر اسی جستجو میں تلوار کے قبضہ پر قبضہ کئے گھوڑے پر سوار بھاگتے دوڑتے باغیوں کو مارتے گذر جاتا اور شام کو بے نیل مرام خیمہ گاہ پر واپس آتے تو افسوس کرتے اور بعض وقت رو بھی دیتے تھے کہ ہائے یہ ناکارہ جان منظوری محبوب کے قابل نہیں ہے .... بجلی کی طرح کوندتے اور پھرتی کے ساتھ اِدھر سے اُدھر اور اُدھر سے اِدھر نکل جاتے تھے یکے بعد دیگرے دو باغیوں کو قتل کیا اور تیسرے کے چہرہ پر چھرے کا زخم نہ لگایا۔ بندوق کا فیر ہونا اور گولی کا نکل کر چلنا تھا کہ خود بھی چلا اٹھے اور سفر آخرت کا تہیہ کر دیا ..... مولانا شہید کا مزار دہلی میں پیش قلعہ پرانی سنہری مسجد کے شمالی جانب پہلو میں ہے

حاشیہ ۱: وہابی صاحبان ۱۸۵۷ء کی جنگ آزادی کو غدر اور انگریزوں کے خلاف آزادی کی خاطر لڑنے والے حقیقی مجاہدین کو مفسدین قرار دیتے رہے ہیں مگر موجودہ دور کے وہابی بدلے ہوئے حالات کے تحت مجبوراً غدر کی بجائے ۱۸۵۷ء کی جنگ آزادی کہنے لگے ہیں بلکہ تاریخ کو مسخ کرنے کی مذموم کوشش کرتے ہوئے اپنے بزرگوں کو ۱۸۵۷ء کی جنگ آزادی کے ہیرو ثابت کرنے کی ناکام کوشش کرتے ہیں۔ (مؤلف)

حاشیہ ۲: غنیم یعنی انگریزوں کے خلاف آزادی کی جنگ لڑنے والے مجاہدین (مؤلف)

Marfat.com

اس کے بعد سید احمد، اسماعیل دہلوی اور ان کی تحریک سے متاثرین اور ان کے ہم مسلک وہابیہ کا ایک اور کارنامہ ملاحظہ ہو دیوبندی مولوی عاشق الٰہی صاحب کا ہی بیان ہے کہ "ایک مرتبہ ایسا بھی اتفاق ہوا کہ حضرت امام ربانی (یعنی رشید احمد گنگوہی) اپنے رفیق جانی مولانا قاسم العلوم (یعنی محمد قاسم بانیٔ مدرسہ دیوبند) اور طبیب روحانی اعلیٰ حضرت حاجی صاحب (یعنی حاجی امداد اللہ) ونیز حافظ ضامن صاحب کے ہمراہ تھے کہ بندوقچیوں (یعنی جنگ آزادی کے مجاہدین) سے مقابلہ ہو گیا یہ نبرد آزما دلیر جتھا اپنی سرکار (یعنی حکومت برطانیہ) کے مخالف باغیوں کے سامنے سے بھاگنے یا ہٹ جانے والا نہ تھا اس لئے اٹل پہاڑ کی طرح پرا جما کر ڈٹ گیا اور سرکار پر جاں نثاری کے لئے تیار ہو گیا۔ اللہ رے شجاعت و جوانمردی کہ جس ہولناک منظر سے شیر کا پتہ پانی اور بہادر سے بہادر کا زہرہ آب ہو جائے وہاں چند فقیر ہاتھوں میں تلواریں لئے جم غفیر بندوقچیوں کے سامنے ایسے جمے رہے گویا زمین نے پاؤں پکڑ لئے ہیں چنانچہ آپ پر فیریں ہوئیں اور حضرت ضامن صاحب زیر ناف گولی کھا کر شہید بھی ہوئے" (تذکرۃ الرشید ص۷۴ ج۱)

سید احمد اور اسماعیل دہلوی اور ان کی تحریک کے مزید اثرات کا کرشمہ ملاحظہ ہو

دیوبندی مولوی عاشق الٰہی صاحب کا بیان ہے کہ "شروع ۱۲۷۶ھ نبوی ۱۸۵۹ء وہ سال تھا جس میں حضرت امام ربانی قدس سرہٗ (یعنی رشید احمد گنگوہی) پر اپنی سرکار" سے باغی ہونے کا الزام لگایا گیا اور مفسدوں (یعنی جنگ آزادی کے مجاہدین) میں شریک رہنے کی تہمت باندھی گئی" (تذکرۃ الرشید ص۷۵ ج۱) "جب بغاوت و فساد کا قصہ فرد ہوا اور رحمدل گورنمنٹ" (یعنی حکومت برطانیہ) کی حکومت نے دوبارہ غلبہ پا کر باغیوں کی سرکوبی شروع کی تو جن بزدل مفسدوں کو سوائے اس کے اپنی رہائی کا کوئی چارہ نہ تھا کہ جھوٹی سچی تہمتوں اور مخبری کے پیشہ سے سرکاری خیر خواہ اپنے کو ظاہر کریں انہوں نے اپنا رنگ جمایا اور ان گوشہ نشین حضرات پر بھی بغاوت کا الزام لگایا (تذکرۃ الرشید ص۷۶ ج۱) یہی صاحب مزید لکھتے ہیں "حضرت امام ربانی قطب الارشاد مولانا رشید احمد صاحب قدس سرہ کو اس سلسلہ میں امتحان کا بڑا مرحلہ طے کرنا تھا اس لئے گرفتار ہوئے اور چھ مہینے حوالات میں بھی رہے آخر جب تحقیقات اور پوری تفتیش و چھان بین سے کالشمس فی النہار ثابت ہو گیا کہ آپ پر جماعت مفسدین کی شرکت کا محض الزام ہی الزام اور بہتان ہی بہتان ہے سو وقت رہا کئے گئے (تذکرۃ الرشید ص۷۸ ج۱)

Marfat.com

نیز رشید احمد صاحب کے متعلق عاشق الٰہی صاحب مزید لکھتے ہیں "وہ سمجھے ہوئے تھے کہ میں جب حقیقت میں سرکار کا فرمانبردار رہا ہوں تو جھوٹے الزام سے میرا بال بھی بیکا نہ ہوگا اور اگر مارا ہی گیا تو سرکار مالک ہے اسے اختیار ہے جو چاہے سو کرے" (تذکرۃ الرشید صفحہ ۸۰) بخوف طوالت فقیر نے سید احمد، اسماعیل دہلوی اور ان کی تحریک کے متاثرین و ان کے ہم مسلک وہابیوں کی عبارتوں کو نقل کر دینے پر اکتفا کی ہے اگر تبصرہ کیا جائے تو ان کی عبارتوں کے ہر لفظ پر کئی کئی صفحات لکھے جا سکتے ہیں۔ تاہم مجھے امید ہے کہ قارئین اپنے فہم اور خداداد فراست سے ان کی دنائت اور خبیثت کی انتہا کا اندازہ ضرور کر رہے ہوں گے اور سید احمد و اسماعیل دہلوی و ان کی تحریک کے چھوڑے ہوئے اثرات کو یقیناً محسوس کر رہے ہوں گے کہ یہ کس قسم کے اثرات ہیں جن اثرات کا ڈھنڈورہ موجودہ دور کے وہابی صاحبان اس قدر شدت کے ساتھ پیٹ رہے ہیں بہرحال ان اثرات کی مزید چند جھلکیاں پیش خدمت ہیں۔ ملاحظہ فرمائیں

دیوبندی مولوی عاشق الٰہی صاحب فرماتے ہیں "ہر چند کہ یہ حضرات حقیقۃً بیگناہ تھے مگر دشمنوں کی یاوہ گوئی نے ان کو باغی و مفسد اور مجرم و سرکاری خطاوار ٹھہرا رکھا تھا۔ اس لئے گرفتاری کی تلاش تھی مگر حق تعالیٰ کی حفاظت بر سر تھی اس لئے کوئی آنچ نہ آئی اور جیسا کہ آپ حضرات اپنی مہربان سرکار (سرکار برطانیہ) کے دلی خیر خواہ تھے تازیست خیر خواہ ہی ثابت رہے"

(تذکرۃ الرشید صفحہ ۷۹)

جنگ آزادی ۱۸۵۷ء کے متعلق ہی مزید ارشاد ہوتا ہے۔ "جن کے سروں پر موت کھیل رہی تھی انہوں نے کمپنی (یعنی برطانوی غاصب ایسٹ انڈیا کمپنی) کے امن و عافیت کا زمانہ قدر کی نگاہ سے نہ دیکھا اور اپنی رحم دل گورنمنٹ کے سامنے بغاوت کا علم قائم کیا" (تذکرۃ الرشید صفحہ ۷۴)

وہابی مؤرخ مسعود عالم ندوی کا ارشاد بھی ملاحظہ ہو "اسی دوران ۱۸۵۷ء کا پرآشوب حادثہ پیش آیا اور گو مجاہدین (یعنی سید احمد و اسماعیل کے پسماندگان) اور ان کے معاونین ایک دینی (وہابی) نظام سے وابستہ ہونے کی وجہ سے اس قومی لڑائی میں غیر جانبدار رہے پھر بھی پٹنہ کے کمشنر ٹیلر نے مولانا احمد اللہ صادقپوری وغیرہ کو بہت دق کیا" (ہندوستان کی پہلی اسلامی تحریک صفحہ ۱۹)

سر سید احمد علی گڑھی بیان فرماتے ہیں "انگلش گورنمنٹ خود اس فرقے کے لئے جو

Marfat.com

وہابی کہلاتا ہے ایک رحمت ہے جس آزادیٔ مذہب سے انگلش گورنمنٹ کے سایہ عاطفت میں رہتے ہیں دوسری جگہ ان کو میسر نہیں ہندوستان ان کے لئے دارالامن ہے ....اب تو کیا ۱۸۵۷ء کے ہنگامہ میں بھی (وہابیوں نے) گورنمنٹ (برطانیہ) پر جہاد نہیں کیا جس کے برابر آج تک ہندوستان میں کوئی ہنگامہ نہیں ہوا " (مقالات سرسید ص ۱۸۹ تا ۲۱۲ ج ۹)

نیز ۱۸۵۷ء کی جنگ آزادی ہی کے متعلق یہی صاحب فرماتے ہیں " حضرت سید احمد شہید کے گروہ کا ایک شخص بھی شریک نہ ہوا (مقالات سرسید حصہ نہم ص ۱۶۳)

مزید ارشاد ہوتا ہے " اگر حضرت سید احمد شہید کی جماعت انگریزوں کی دشمن ہوتی تو یہ موقع اس جماعت کے لئے انگریزوں کے خلاف کھڑے ہونے کا بہترین تھا کیونکہ اس وقت بظاہر یہی نظر آرہا تھا کہ انگریزوں کی حکومت اب گئی اور اب گئی ایسی حالت میں مجاہدین سید احمد بڑی خوشی اور بڑی آسانی سے انگریزوں کے خلاف جنگ میں شریک ہو جاتے پس معلوم ہوا کہ نہ حضرت سید احمد کا یہ منشا تھا نہ انہوں نے اپنی جماعت کو اس کی تلقین کی نہ ان کی جماعت نے انگریزوں کے خلاف کبھی کسی ہنگامہ میں کسی قسم کی مدد دی اس موقعہ پر بڑے تماشے کی بات یہ ہے کہ ۱۸۵۷ء میں پورے جوش کے ساتھ انگریزوں کے خلاف جنگ میں حصہ لینے والے وہ سب کے سب علمائے کرام شامل تھے جو عقیدۃً حضرت سید احمد اور حضرت شاہ اسماعیل کے شدید ترین دشمن تھے (یعنی علمائے حق علمائے اہلسنت وجماعت بریلویہ) اور جنہوں نے حضرت شاہ اسماعیل کے رد میں بہت سی کتابیں لکھی ہیں اور اپنے شاگردوں کو لکھنے کی وصیت کی ہے " (مقالات سرسید حصہ شانزدہم بر حاشیہ)

قارئین دیانت داری کے ساتھ فیصلہ کریں کہ مصنف تذکرہ پیران پاگاڑہ اور اس کے ہمنواؤں کے بلند بانگ دعوؤں کی قلعی کما حقہ کھل گئی یا نہیں۔ اگر کسی کوڑھ مغز کو اب بھی کچھ شبہ باقی رہ گیا ہو تو مزید اطمینان کے لئے حسب ذیل مستند حوالہ جات پر بہ نظر انصاف غور کرلے۔ وہابیہ کا مشہور قائد الطاف حسین حالی لکھتا ہے " انہوں نے (یعنی سرسید نے) اس ریویو میں بہت صاف اور روشن شہادتوں سے ڈاکٹر ہنٹر کی غلطیاں ظاہر کی ہیں۔ اور وہابیوں کی مختصر تاریخ اول سے آخر تک اور وہابیت کے اصول شرحی بیان کئے ہیں اور صاف اقرار کیا ہے کہ میں خود وہابی ہوں، وہابی ہونا جرم نہیں ہے بلکہ گورنمنٹ (برطانیہ) کی بدخواہی اور بغاوت

Marfat.com

جرم ہے" (حیات جاوید باب پنجم ص۱۰۲-۱۰۴)

نیز یہی صاحب سرسید کے بیان میں لکھتے ہیں "ہم (سرسید) اس وقت بہت سے ایسے آدمیوں کا نشان (اور پتہ) دے سکتے ہیں جو (انگریزی) سرکار کے ایسے ملازم ہیں کہ ان سے زیادہ سرکار کا خیر خواہ اور معتمد کوئی نہیں باایں ہمہ وہ اپنے تئیں علی الاعلان اور بے تامل فخریہ طور پر وہابی کہتے ہیں اور سرکار (برطانیہ) نے بے سوچے سمجھے ان کو معتمد علیہ نہیں گردانا بلکہ غدر (۱۸۵۷ء) کے زمانہ میں جبکہ فتنہ کی آگ ہر طرف مشتعل تھی ان کی وفاداری کا سونا اچھی طرح تایا گیا اور وہ خیر خواہی سرکار (برطانیہ) میں ثابت قدم رہے اگر وہ جہاد کا وعظ کہتے ہوتے اور بغاوت وہابیت کی اصل ہوتی تو جو کچھ ان سے ظہور میں آیا یہ کیونکر ظہور میں آتا" (حیات جاوید ص۱۸۲)

شیخ محمد اکرام صاحب لکھتے ہیں "حقیقت یہ ہے کہ سرسید مولانا (سید احمد رائے بریلوی) کے ہم خیال اور ان کے نہایت عقیدت مند مداحوں میں سے تھے" (موج کوثر ص۲۲)

سید احمد اور اسماعیل اور ان کی تحریک کے بڑے متاثرین میں سے مولوی شبلی نعمانی گروہ وہابیہ کا بڑا مشہور راہنما ہے انگریزی حکومت نے اسے وفاداری اور خیر خواہی کے صلہ میں شمس العلماء کا خطاب عطا کیا تھا۔ اس نے سید احمد کے نقش قدم پر چلتے ہوئے برٹش گورنمنٹ کے استحکام کی خاطر صلح کلی کا ڈھونگ رچایا۔ "دارالندوہ" کے نام سے لکھنؤ میں ایک ادارہ قائم کیا۔ تاکہ مختلف الخیال علماء کو جمع کر کے مسلمانان ہند کو اجتماعی طور پر یہ درس دیا جائے کہ انگریزی حکومت کی اطاعت اور وفاداری پر قائم رہیں کیونکہ مذہب وہابیہ کی رو سے انگریزوں کی وفاداری اور انکی اطاعت فرض ہے۔

شیخ محمد اکرام صاحب لکھتے ہیں "ندوہ کی تاریخ میں ۱۹۰۸ء کا سال ایک خاص اہمیت رکھتا ہے اس سال صوبہ (یو۔پی) کے گورنر نے دارالعلوم کی وسیع عمارت کا سنگ بنیاد رکھا اور حکومت (برطانیہ) کی طرف سے ندوہ کو "بعض مقاصد" کے لئے پانچ سو روپیہ ماہوار امداد ملنی شروع ہوئی" (موج کوثر)

یہ بعض مقاصد کیا تھے؟ اس کی وضاحت مولوی شبلی نعمانی کے بیان سے ہو جاتی ہے اس کا بیان ہے کہ "یہ مدت العمر کبھی انگریز گورنمنٹ کا بدخواہ نہیں رہا ہوں یہ ی ہمیشہ یہ

کوشش رہی ہے کہ مشرق و مغرب (ایشیا و یورپ) کے درمیان یگانگت بڑھے اور ایک دوسرے کی طرف سے جو غلط فہمیاں مدت دراز سے چلی آتی ہیں دور ہوں چنانچہ اس پر میری تمام تصنیفات شاہد ہیں اس سے بڑھ کر یہ کہ ۱۹۰۸ء میں میں نے ماہنامہ رسالہ "الندوۃ" میں ایک مستقل مضمون کے ذریعہ یہ ثابت کیا کہ مسلمانوں پر انگریزی حکومت کی اطاعت و وفاداری مذہبًا فرض ہے" (شبلی نامہ ص ۲۴۵)

غیر مقلد وہابیہ کے سرگروہ مولوی محمد حسین بٹالوی نے بھی سید احمد کے مشن کی تکمیل کے لئے بڑی جدوجہد کی چنانچہ مشہور وہابی مورخ مسعود عالم ندوی کا بیان ہے کہ "جب مجاہدین کی داروگیر شروع ہوئی اور ہر آمین بالجہر کہنے والے پر وہابی کا شبہ کیا گیا اور وہابی کے معنے سرکاری زبان میں باغی کے ہو گئے تو ہندوستان کی جماعت اہل حدیث موجودہ شکل میں نمایاں ہوئی اور ان کے سرگروہ مولوی محمد حسین صاحب بٹالوی نے سرکار انگریزی کی اطاعت کو واجب قرار دیا۔ اور حد یہ کہ بعض حنفی علماء کو سرکار سے بغاوت کے طعنے بھی دیئے (ہندوستان کی پہلی اسلامی تحریک ص ۲۹)

غیر مقلد مولوی محمد حسین بٹالوی نے جہاد کی منسوخی پر ایک رسالہ "الاقتصاد فی مسائل الجہاد" فارسی زبان میں تصنیف فرمایا تھا اور مختلف زبانوں میں اس کے ترجمے بھی شائع کرائے تھے۔ معتبر اور ثقہ راویوں کا بیان ہے کہ اس کے معاوضہ میں سرکار انگریزی سے انہیں جاگیر بھی ملی تھی" (حاشیہ ہندوستان کی پہلی اسلامی تحریک ص ۲۹)

مزید تشریح ملاحظہ ہو "الاقتصاد فی مسائل الجہاد" مصنف مولوی محمد حسین صاحب بٹالوی (ف ۱۳۳۸ھ)

اس رسالے میں جہاد کو منسوخ ثابت کرنے کی کوشش کی گئی ہے مطبوعہ ۱۳۰۶ھ اردو، انگریزی، عربی میں اس کے ترجمے بھی شائع ہوئے اور انگریزی اور اردو ترجمے سر چارلس ایچی سن اور سر جیمس لائل گورنران پنجاب کے نام معنون کئے گئے اس کی تالیف ۱۲۹۲ھ میں علمائے عصر (وہابیہ) سے رائے لینے کے بعد ۱۲۹۶ھ میں رسالہ "اشاعۃ السنہ" میں شائع کیا گیا (جلد ۲ نمبر ۱ ضمیمہ) پھر مزید مشورہ و تحقیق کے بعد ۱۳۰۶ھ میں باضابطہ کتابی صورت

Marfat.com

میں اس کی اشاعت ہوئی اللہ مرحوم کی مغفرت کرے اس کتاب پر انعام سے بھی سرفراز ہوئے تھے۔! جماعت اہل حدیث کو فرقہ کی شکل دینے میں ان کا خاص حصہ ہے اور یہی وہ بزرگ ہیں جنہوں نے اس سادہ لوح فرقے میں دنیاداری کی خوبو پیدا کی نہ صرف یہ بلکہ دوسرے معاصر علماء کو سرکار (برطانیہ) کی مخالفت کے طعنے بھی دیئے" (ہندوستان کی پہلی اسلامی تحریک ص۲۱۲) غیر مقلدین وہابیہ بھی دیوبندی وہابیوں کی طرح سید احمد اور اسماعیل دہلوی کے ہم مسلک ان کے ہم عقیدہ اور ان کے بڑے معتقد اور مداح اور ان کی تحریک کے اثرات سے متاثر ہیں۔ غیر مقلدین کے اقوال و افعال اور ان کے مجموعی کردار سے بھی سید احمد اور اس کی تحریک کے چھوڑے ہوئے اثرات کا اندازہ بخوبی لگ سکتا ہے۔!

وہابی مولوی عبدالمجید خادم سوہدری سیرت ثنائی ص۳۷۲ پر لکھتا ہے "مولوی محمد حسین بٹالوی نے "اشاعۃ السنۃ" کے ذریعہ اہل حدیث کی بہت خدمت کی، لفظ وہابی آپ ہی کی کوشش سے سرکاری دفاتر اور کاغذات سے منسوخ ہوا اور جماعت اہلحدیث کے نام سے موسوم کیا گیا۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔آپ نے حکومت کی خدمت بھی کی اور انعام میں جاگیر پائی"۔

انہوں نے ارکان جماعت اہل حدیث کی ایک دستخطی درخواست لفٹیننٹ گورنر پنجاب کے ذریعہ سے وائسرائے ہند کی خدمت میں روانہ کی اس درخواست پر سر فہرست شمس العلماء میاں نذیر حسین کے دستخط تھے۔ گورنر پنجاب نے وہ درخواست اپنی تائیدی تحریر کے ساتھ گورنمنٹ آف انڈیا کو بھیج دی وہاں سے حسب ضابطہ منظوری آگئی کہ آئندہ "وہابی" کے بجائے "اہل حدیث" کا لفظ استعمال کیا جائے۔ لیفٹیننٹ گورنر پنجاب نے اس کی باقاعدہ اطلاع مولوی محمد حسین کو دی۔ اسی طرح گورنمنٹ مدراس کی طرف سے ۱۵ر اگست ۱۸۸۸ء کو بذریعہ خط نمبر ۱۲۷ گورنمنٹ بنگال کی طرف سے ۴ر مارچ ۱۸۹۰ء کو بذریعہ خط نمبر ۱۵۶ اور گورنمنٹ یو۔پی کی طرف سے ۲۰ر جولائی ۱۸۸۸ء کو بذریعہ خط نمبر ۳۸۶ گورنمنٹ سی پی کی طرف سے ۱۴ر جولائی ۱۸۸۸ء کو بذریعہ خط نمبر ۴۰۷ اور گورنمنٹ بمبئی کی طرف سے

Marfat.com

۱۴ اگست ۱۸۹۸ء کو بذریعہ خط نمبر ۴۲۰۲ اس امر کی اطلاع مولوی محمد حسین بٹالوی کو ملی"
مولوی محمد حسین بٹالوی نے خوشامد اور کاسہ لیسی کی حد کر دی وہ لکھتے ہیں "اس گروہ اہل حدیث کے خیر خواہ وفادار رعایا برٹش گورنمنٹ" ہونے پر ایک بڑی روشن اور قوی دلیل یہ ہے کہ یہ لوگ برٹش گورنمنٹ کے زیر حمایت رہنے کو اسلامی سلطنتوں کے ماتحت رہنے سے بہتر سمجھتے ہیں اور اس امر کو اپنے قومی وکیل (ماہنامہ رسالہ "اشاعۃ السنۃ" کے ذریعہ سے جس کے نمبر ۱۰ جلد ۶ میں اس امر کا بیان ہوا ہے (اور وہ نمبر ہر ایک لوکل گورنمنٹ اور گورنمنٹ آف انڈیا میں پہنچ چکا ہے) گورنمنٹ پر بخوبی ظاہر اور مدلل کر چکے ہیں جو آج تک کسی اسلامی فرقہ رعایا گورنمنٹ نے ظاہر نہیں کیا اور نہ آئندہ کسی سے اس کے ظاہر ہونے کی امید ہو سکتی ہے"
اسی طرح ملکہ وکٹوریہ کے جشن جوبلی پر جو ایڈریس محمد حسین بٹالوی نے "گروہ مسلمانان اہل حدیث" کی طرف سے پیش کیا تھا اس میں لکھا تھا "یہ مذہبی آزادی اس گروہ کو خاص کر اس سلطنت میں حاصل ہے بخلاف دوسرے اسلامی فرقوں کے کہ ان کو اور اسلامی سلطنتوں میں بھی یہ آزادی حاصل ہے اس خصوصیت سے یقین ہو سکتا ہے کہ اس گروہ کو اس سلطنت کے قیام و استحکام سے زیادہ مسرت ہے اور ان کے دل سے مبارک باد کی صدائیں زیادہ زور کے ساتھ نعرہ زن ہیں"
اسی طرح لارڈ ڈفرن وائسرائے ہند کی سبکدوشی پر جماعت اہل حدیث نے ایک خوشامدانہ ایڈریس دیا جس پر سب سے پہلے شمس العلماء میاں نذیر حسین کے دستخط ہیں اس کے بعد ابو سعید محمد حسین وکیل اہل حدیث، مولوی احمد اللہ واعظ میونسپل کمشنر امرتسر، مولوی قطب الدین پیشوائے اہل حدیث روپڑ مولوی حافظ عبد اللہ غازی پوری، مولوی محمد سعید بنارسی، مولوی محمد ابراہیم آرہ اور مولوی نظام الدین پیشوائے اہل حدیث مدراس کے دستخط ہیں۔ مولانا سید سلیمان ندوی مرحوم لکھتے ہیں" اہل حدیث کے نام سے اس وقت بھی جو تحریک ہے حقیقت کی رو سے وہ قدم نہیں صرف نقش قدم ہے۔ مولانا اسماعیل شہید جس تحریک کو لے کر اٹھے تھے وہ فقہ کے چند مسائل نہ تھے بلکہ امامت کبریٰ، توحید خالص اور اتباع نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی بنیادی تعلیمات تھیں۔ مگر افسوس ہے کہ سیلاب نکل گیا اور باقی جو رہ گیا ہے وہ گذرے ہوئے پانی کی فقط لکیر ہے"

مولوی محمد حسین بٹالوی کی پوری پالیسی میں شمس العلماء شیخ الکل میاں نذیر حسین

Marfat.com

محمود معاون بلکہ سرپرست و سرخیل رہے اور صادق پور کے بجائے مرکز قیادت دہلی اور لاہور منتقل ہوگیا پھر بیسویں صدی کے آغاز پر دسمبر ۱۹۰۶ء میں بمقام آرہ (بہار) آل انڈیا اہل حدیث کانفرنس وجود میں آئی جس کے سب سے فعال کارکن مولانا ابوالوفا ثناء اللہ امرتسری تھے۔ اہل حدیث کانفرنس کی پالیسی بھی کم و بیش مولوی محمد حسین بٹالوی کے انداز پر رہی" (اقتباس، مقدمہ از محمد ایوب قادری ایم اے، حیات سید احمد شہید از محمد جعفر تھانیسری)

غیر مقلد وہابیہ کے امام میاں نذیر حسین دہلوی کی سوانح عمری "الحیات بعد الممات ص ۱۲۵ پر ہے، یہ بتا دینا ضروری ہے کہ میاں صاحب گورنمنٹ انگلشیہ کے کیسے وفادار تھے۔ زمانہ غدر ۱۸۵۷ء میں جبکہ دہلی کے بعض مقتدر اور بیشتر معمولی مولویوں نے انگریز پر جہاد کا فتویٰ دیا تو میاں صاحب نے نہ اس پر دستخط کیا نہ مہر۔ وہ خود فرماتے تھے کہ میاں وہ ہلڑ تھا بہادر شاہی نہ تھی وہ بے چارہ بڈھا بادشاہ کیا کرتا۔ بہادر شاہ کو بہت سمجھایا کہ انگریزوں سے لڑنا مناسب نہیں ہے مگر وہ باغیوں کے ہاتھ میں کٹھ پتلی ہو رہے تھے کرتے تو کیا کرتے" اسی کتاب کے ص ۱۲۷ پر ہے "عین حالت غدر میں جب کہ ایک ایک بچہ انگریزوں کا دشمن ہو رہا تھا مسز لیسنس ایک زخمی میم کو میاں (نذیر حسین) صاحب رات کے وقت اٹھوا کر اپنے گھر لے آئے، پناہ دی، علاج کیا، کھانا دیتے رہے اس وقت اگر ظالم باغیوں کو ذرہ برابر خبر ہو جاتی تو آپ کے قتل اور خانماں بربادی میں مطلق دیر نہ لگتی۔ مگر ساڑھے تین مہینہ تک کسی کو بھی معلوم نہ ہوا کہ حویلی کے مکان میں کون آدمی ہیں۔ تین مہینوں کے بعد جب پوری طرح امن قائم ہو چکا تب اس نیم جان میم کو جو اب بالکل تندرست اور توانا تھی انگریزی کیمپ میں پہنچایا۔ اس کے صلے میں مبلغ ایک ہزار تین سو روپیہ اور سارٹیفکیٹ ملیں" مزید ملاحظہ ہو "سنہ ۱۳۰۰ھ میں جب میاں صاحب نے حج کا ارادہ مصمم کر لیا تو کمشنر دہلی سے ملاقات کر کے حج بیت اللہ اور زیارت مدینہ طیبہ و روضہ مطہرہ سرور کائنات علیہ الصلوٰۃ والسلام کا ارادہ ظاہر کیا کمشنر دہلی نے آپ کو ایک چٹھی مورخہ ۱۰ اگست ۱۸۸۳ء دی

ترجمہ۔ مولوی نذیر حسین دہلی کے ایک بڑے مقتدر عالم ہیں جنہوں نے نازک وقتوں میں اپنی وفاداری گورنمنٹ برطانیہ کے ساتھ ثابت کی ہے وہ اپنے فرض زیارت کعبہ کے ادا کرنے مکہ جاتے ہیں۔ میں امید کرتا ہوں کہ جس کسی برٹش گورنمنٹ افسر کی وہ مدد چاہیں گے وہ ان کو مدد دے گا کیونکہ وہ کامل طور سے اس مدد کے مستحق ہیں۔ دستخط جے۔ ڈی۔ ٹریلیٹ بنگال سروس کمشنر دہلی و سپرنٹنڈنٹ ۔۔۔ شمس العلماء

کا خطاب گورنمنٹ عالیہ کی طرف سے ۲۲ جون ۱۹۱۰ء مطابق ۱۲ محرم الحرام ۱۳۲۸ھ بروز سہ شنبہ ہوا" (الحیات بعد الممات ص ۱۸۱)

وہابیہ کے پیشوا نواب صدیق حسن خان بھوپالی کا بیان ہے کہ "زمانہ غدر میں جو لوگ سرکار انگریزی سے لڑے اور عہد شکنی کی وہ جہاد نہ تھا فساد تھا ہم نے اپنی کتاب "ہدایۃ السائل" میں اوّلاً اور کتاب "روض خصیب" میں ثانیاً اور بڑا گناہ ہونا عہد شکنی کا اور جائز نہ ہونا جہاد کا ہندوستان میں کتاب "عوائد العائد" میں ثالثاً اور حال وہابیوں کا تواریخ علمائے عیسوی سے کتاب "تاج مکلل" میں رابعاً لکھا ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ بغاوت جو ہندوستان میں بزمانہ غدر ہوئی اس کا نام جہاد رکھنا ان لوگوں کا کام ہے جو دین اسلام سے آگاہ نہیں ہیں اور ملک میں فساد ڈالنا اور امن کا اٹھانا چاہتے ہیں دلخواہ۔ ترجمان وہابیہ ص ۲۳

سید احمد کی تحریک کے شریک صدر مولوی محمد اسحاق دہلوی کے بارے میں مولوی اشرف علی تھانوی کا بیان ہے کہ "مولانا شاہ اسحاق صاحب کا واقعہ ہے اپنے بزرگوں سے سنا ہے کہ جب گورنمنٹ انگریزیہ کا تسلط ہوا تھا شاہ صاحب کا جو وظیفہ مقرر تھا وہ جاری رکھا گیا"

(افاضات الیومیہ ج ۴ ص ۶۹۰ مطبوعہ تھانہ بھون)

اگر سید احمد اور اس کے ساتھی گورنمنٹ برطانیہ کے مخالف اور آزادی کے طلب گار ہوتے تو ۱۸۵۷ء کی جنگ آزادی میں ضرور شریک ہوتے اور اگر یہ لوگ ۱۸۵۷ء کی جنگ آزادی میں شریک ہوتے تو انگریز انہیں بھی وہی سزائیں دیتے جو کہ وہ مجاہدین آزادی اور حریت پسندوں کو دے رہے تھے۔ انہیں خطابات، سرٹیفکیٹس اور وظیفے اور جاگیریں نہ دیتے۔ لیکن تعجب ہے کہ مصنف تذکرہ پیران پاگارا عوام و خواص کی آنکھوں میں دھول جھونکنے کی کوشش ناکام کرتے ہوئے لکھتا ہے ۱۸۵۷ء کی جنگ آزادی بھی سید احمد اور اس کی تحریک کے اثرات کے نتیجے میں ہی برپا ہوئی تھی اور سردار علی شاہ صاحب ان کی تائید بھی فرماتے ہیں۔ فیا للعجب

قارئین کرام۔ یہ ہے سید احمد۔ اسماعیل دہلوی اور ان کی تحریک مجاہدین کے جہاد اور ان کے چھوڑے ہوئے اثرات کی کہانی اور وہ بھی خود اکابر وہابیہ کی زبانی۔

وہابی مولوی اسماعیل پانی پتی "مقالات سرسید حصہ شانزدہم ص ۲۴۹ حاشیہ پر لکھتا ہے "ان ہمعصر کے بیانات کی موجودگی میں اب ۱۱۱ برس کے بعد یہ کہنا کہ "یہی حضرت شہید انگریزوں کے خلاف

جہاد کا عزم بالجزم رکھتے تھے" ایک ایسا ہی دعویٰ ہے جو اپنے ساتھ کوئی عقلی یا نقلی دلیل نہیں رکھتا" نیز کتر وہابی مرزا حیرت دہلوی حقیقت کا اعتراف کرتے ہوئے لکھتا ہے "جو کچھ میں اپنے گذشتہ صفحوں میں لکھ آیا ہوں درحقیقت وہی بات ٹھیک ہے اور اس میں ذرا بھی تفاوت نہیں ہے گو بعض ہمارے ہم عصر سوانح نویسوں نے اس کا ذرا بھی ذکر نہیں کیا ہے اور سوء ادبی کے خیال نے انہیں دیانت داری سے باز رکھا مگر ہم نے اپنی ایمانداری سے جو واقع ہمیں پہنچے انہیں بے کم وکاست بیان درج کر دیا" (حیات طیبہ ص۴۲۲) ثابت ہوا کہ جو لوگ سید احمد، اسماعیل دہلوی ان کے ساتھیوں یا ان کے متبعین وہابیہ کو آزادی کے علمبردار اور انگریزوں یا سکھوں کے خلاف جہاد کرنے والے بتاتے ہیں، بددیانت اور سراسر جھوٹے ہیں۔ بے پر کی اڑاتے ہیں، ان کے بلند بانگ دعووں کی کچھ حقیقت نہیں

پھر جو صاحبان بے سوچے سمجھے ان کی ہاں میں ہاں ملاتے۔ ان کی اندھا دھند تائید وتصدیق کر کے بھیڑ چال کا مظاہرہ کرتے ہیں ان کے بارے میں دانشمند قارئین خود ہی کوئی منصفانہ رائے قائم کرلیں — تمام ار[illegible] کے تو شکایت ہوگی۔

الغرض تاریخی دستاویزات سے روز روشن کی طرح واضح ہوا کہ سید احمد اسماعیل دہلوی اور ان کے پیروؤں نے قدم بہ قدم ہر تحریک آزادی کی ڈٹ کر مخالفت کی۔ ملک وملت کی آزادی میں روڑے اٹکائے۔ دین اور وطن سے غداری پر قائم رہے۔ انگریزوں کے خلاف جہاد کرنے والوں کو باغی اور مفسد ٹھہرایا۔ تحریک آزادی کو غدر۔ فساد۔ اور ہلڑ بازی قرار دیا۔ انگریزوں کی وفاداری اور ان کی حکومت پر جاں نثاری کو مذہبًا فرض کیا۔ برٹش گورنمنٹ کی حمایت میں مجاہدین آزادی کے خلاف لڑ کر مر جانے والوں کو "شہید" کا مقام عطا کیا۔ انگریزوں کے خلاف جہاد کو حرام بتایا حتیٰ کہ حکومت برطانیہ کی خوشنودی حاصل کرنے کی خاطر خدا ورسول کی صریحًا نافرمانی اور شریعت سے بغاوت کرتے ہوئے جہاد کو منسوخ قرار دے دیا اور پھر انتہائی ڈھیٹ پن کا مظاہرہ کرتے ہوئے۔ غاصب انگریزوں کے خلاف جہاد کا فتویٰ دینے والے اور مجاہدین آزادی کی قیادت فرمانے والے اور بیشمار قربانیاں دینے والے علمائے اہلسنت وجماعت کا مذاق اڑائے اور انہیں سرکار برطانیہ سے بغاوت کے طعنے دیتے رہے ان وہابی مولویوں نے ملک وملت سے غداری کے صلہ میں انگریزوں سے نقد انعامات، جاگیریں، خطابات سندیں اور سرٹیفکیٹ حاصل کئے اور ان گندم نما جو فروشوں کی ساری زندگیاں انگریزوں کی وفاداری میں

Marfat.com

بسر ہو گئیں لیکن کس قدر افسوس کا مقام ہے کہ مصنف تذکرہ چوہدری تبسم صاحب ان تمام حقیقتوں کو نہایت بے باکی اور دیدہ دلیری کے ساتھ جھٹلاتے جاتے ہیں اور مقدمہ نویس جناب سردار علی شاہ صاحب ان کی تائید و تصدیق کرتے اور تحسین و آفرین کے ڈونگرے برساتے جاتے ہیں۔

الحمدللہ کہ مصنف تذکرہ چوہدری تبسم صاحب کے اس دعویٰ کی بھی مکمل تردید ہو گئی کہ سید احمد کی تحریک کے اثرات کی وجہ سے ہی حکومت برطانیہ کے خلاف جنگ آزادی ۱۸۵۷ء برپا ہوئی اور ناقابل تردید شواہد سے ثابت ہو چکا کہ سید احمد کے متبعین اور تحریک کے متاثرین نے جنگ آزادی ۱۸۵۷ء میں کوئی حصہ نہیں لیا بلکہ اس کے برعکس ان لوگوں نے حکومت برطانیہ کی بھرپور حمایت کی اور انگریزوں کی طرف سے مجاہدین آزادی سے لڑتے رہے۔

Marfat.com

تحریک پاکستان اور وہابی

مصنف تذکرہ چوہدری تبسم صاحب نے اپنی تصنیف میں الفاظ کے ہیر پھیر کے ساتھ رٹ لگائی ہے کہ "سید احمد اور اسماعیل دہلوی مسلمانوں کے سامنے فکر و عمل کی ایسی راہ متعین کر گئے جس پر چل کر بالآخر مسلمانان ہند نے ۱۹۴۷ء میں حکومت اسلامیہ پاکستان کی نعمت حاصل کر لی" (تذکرہ صـ ۱۱۹)

اگرچہ تبسم چوہدری صاحب کے اس قسم کے تمام دعوؤں کی مکمل تردید گذشتہ صفحات میں ہو چکی ہے تاہم چونکہ انہوں نے بار بار تحریک پاکستان کی کامیابی اور قیام پاکستان کو بھی سید احمد اور اسماعیل دہلوی کے چھوڑے ہوئے اثرات کا نتیجہ قرار دیا ہے اس لئے ضروری ہے کہ اس سلسلہ میں بھی ان کے تربیت یافتہ شاگردوں کے کردار کو واضح کر دیا جائے سب سے پہلے یہ دیکھ لیجئے کہ سید احمد نے حصول آزادی کے لئے مسلمانوں کے سامنے فکر و عمل کی کون سی راہ متعین کی تھی

سید احمد کی تحریک کا سرگرم کارکن مولوی محمد جعفر تھانیسری بیان کرتا ہے کہ "آپ (سید احمد) کے سوانح عمری اور مکاتیب میں بیس ۲۰ سے زیادہ ایسے مقام پائے گئے ہیں جہاں کھلے کھلے اور اعلانیہ طور پر سید احمد صاحب نے "بدلائل شرعی" اپنے پیروؤں کو سرکار انگریزی کی مخالفت سے منع کیا ہے" (مکتوبات سید احمد صـ ۳۱۰)

غور کا مقام ہے کہ جب سید احمد نے "بدلائل شرعی" یعنی شریعت وہابیہ کی رو سے اپنے پیروؤں کو سرکار انگریزی کی مخالفت سے ہی تاکیداً منع کر دیا تو پھر اس کے پیرو وہابیوں کا حصول آزادی کی خاطر جد و جہد کرنے کا سوال ہی کہاں باقی رہ جاتا ہے تاکہ (بقول مصنف تذکرہ) مسلمانوں کی آزادی کے بجھے ہوئے چراغ پھر سے جل اٹھیں" (صـ ۱۱۸)

خیر یہ تو ہوئی سید احمد کی متعین کی ہوئی فکری راہ کہ انگریزوں کے خلاف ہرگز کوئی حرکت نہ کرنا بلکہ ہر حال میں برٹش گورنمنٹ کے وفادار اور انگریز آقاؤں کے جاں نثار رہنا۔ اور

Marfat.com

سید احمد کی متعین کی ہوئی عملی راہ وہ ہے جو وہ اپنے عمل سے دکھا گئے ہیں کہ اپنے ساتھیوں سمیت ہر وہ کام کر دکھایا جس سے انگریز کی حکومت مستحکم ہو سکتی تھی یا مسلمانوں کی جدوجہد آزادی کے جلتے ہوئے چراغ بجھ سکتے تھے۔ اور تاریخ شاہد ہے کہ اس کے تربیت یافتہ شاگردوں اور اس کی تحریک کے اثرات سے متاثر وہابیوں نے بکمال سعادت مندی اپنے استاد کی متعین فرمائی ہوئی فکر و عمل کی راہ پر پوری طرح چل کر دکھایا۔ چنانچہ جنگ آزادی ۱۸۵۷ء میں اس کے شاگرد وہابیہ کا کردار آپ دیکھ چکے ہیں۔ اب تحریک پاکستان اور قیام پاکستان کے دوران ان کے کارنامے بھی ملاحظہ فرمالیں۔!

جنگ آزادی ۱۸۵۷ء کے بعد جب انگریز حکمران اندھا دھند انتقامی کارروائیوں میں مصروف تھے، حریت پسندوں پر ناقابل بیان مظالم ڈھا رہے تھے، مجاہدین آزادی کو بغاوت کے جرم میں برسر عام پھانسی پر لٹکایا جا رہا تھا۔ جائدادیں ضبط کی جا رہی تھیں اور دیوانہ وار وحشیانہ سزائیں دی جا رہی تھیں سید احمد کے شاگرد وہابی صاحبان انگریزوں کی مدد کرنے اور مجاہدین آزادی کے خلاف لڑنے کے صلہ میں انگریزوں کی گود میں بیٹھے چین کی بنسری بجا رہے تھے انہیں انعامات سے نوازا جا رہا تھا۔ انہیں وظیفے، خطابات اور وفاداری کے سرٹیفکیٹ عطا کئے جا رہے تھے اور جاگیریں عنایت کی جا رہی تھیں۔ اس کے جواب میں ابن الوقت وہابی صاحبان گھگھیا گھگھیا کر انگریزوں کی قصیدہ خوانی کر رہے تھے۔ برٹش گورنمنٹ کو "ہماری اپنی گورنمنٹ" ہماری عادل سرکار، رحمدل حکومت، رحمت خداوندی اور سایۂ عاطفت قرار دے رہے تھے اور مزید راتب حاصل کرنے کی دھن میں ایک دوسرے پر سبقت لے جانے کی کوشش کر رہے تھے۔ ان مفاد پرست وہابیہ کی انگریزوں کی چاپلوسی و خوشامد کے کثیر نمونے آپ گذشتہ صفحات میں دیکھ چکے ہیں۔ تاہم مزید ایک نمونہ پیش خدمت ہے۔

جب انگریز ولی عہد پرنس آف ویلز ہندوستان کے دورے پر آیا تو وہابیہ کے ایک مشہور لیڈر و شاعر الطاف حسین حالی نے اس کے دربار میں حسب ذیل قصیدہ پیش کیا

مژدہ ہو اہل مشرق اب دن پھرے ہمارے — مغرب سے سوئے مشرق آیا ہے مہر تاباں
گلہ کی اپنے لینے آیا خبر کہاں سے — ہے ایسے گلہ باں پر گلہ کی جان قرباں

ہندوستان بھی تجھ سے کچھ آج کل نہیں کم — اے معدنِ بزرگی اے خاکِ انگلستان
تیرے نصیب کا کیا پوچھنا ہے لیکن — ہند بھی ان دنوں ہے قسمت پہ اپنی نازاں
مہماں ہے آج اس کا شاہ ولی عہد — روئے زمیں کے سلطان جس کے ہوئے ہیں مہماں

(کلیات سلفی ص۱۱۴ مطبوعہ دہلی)

المختصر جب تک ہندوستان میں انگریزوں کا طوطی بولتا رہا وہابی صاحبان بھی اپنے استاد سید احمد کی متبعین کی ہوئی راہِ فکر و عمل پر گامزن رہے انگریزوں کے نزدیک وفادار اور جان نثار بنے رہے۔ لیکن جب ملک میں کانگریس اور مسلم لیگ کی بدولت تحریک آزادی نے زور پکڑا تو اس نازک وقت میں بھی وہابی صاحبان نے مسلمانوں کی واحد نمائندہ جماعت مسلم لیگ کا ساتھ دینے کی بجائے کفار کا ساتھ دیا ہندو کانگریس کی گود میں جا بیٹھے گاندھی کی لنگوٹی اور نہرو کی چوٹی سے وابستہ ہو گئے اور بمصداق

چلو تم ادھر کو ہوا ہو جدھر کی

سید احمد کے شاگردوں کو ہندوستان کی سیاست میں بظاہر ہندوؤں کا پلہ بھاری نظر آیا تو یہ لوگ ہندوؤں کے منظور نظر بن جانے کی دوڑ میں ایک دوسرے پر سبقت لے جانے کی کوشش میں لگ گئے ان لوگوں نے تحریک پاکستان کو ناکام بنانے میں ایڑی چوٹی کا زور لگا دیا چنانچہ مجلس احرار کے مشہور لیڈر غیر مقلد مولوی داؤد غزنوی کے متعلق عدالت کی گواہی ملاحظہ ہو "۲۹ نومبر ۱۹۴۰ء کو انہوں نے اخباروں میں ایک بیان شائع کرایا جس میں احرار کے اس فیصلہ کا اعلان کیا کہ وہ اپنے آپ کو کانگریس میں جذب کر دیں گے" (رپورٹ تحقیقاتی عدالت ص۱۰)

مجلس احرار کے مشہور وہابی لیڈر مولوی عطاء اللہ شاہ بخاری نے بیرون دہلی دروازہ لاہور ایک جلسہ عام میں تحریک پاکستان اور قائدین مسلم لیگ کے متعلق یہ گل افشانی فرمائی "یہ لوگ پاکستان مانگتے ہیں .... پاکستان، جانتے ہو کیا مانگتے ہیں ؟ پاکستان .... پاکی استان .... انہیں پاکی استان چاہیے۔ دے دیجئے استرے ان کے ہاتھوں میں اور بھیج دیجئے غسلخانوں میں"

(ماہنامہ سیارہ ڈائجسٹ ۱۹۶۶ء ص۱۹۹)

نیز اسی بخاری ملت نے ایک جلسہ میں کہا "جو لوگ مسلم لیگ کو ووٹ دیں گے وہ

Marfat.com

سؤر ہیں اور سؤر کھلانے والے ہیں" (چمنستان مولانا ظفر علی خان ص۱۶۵)

اسی پیشوائے وہابیہ مولوی عطاء اللہ شاہ دیوبندی وہابی نے یہاں تک بک دیا تھا کہ کسی ماں نے ایسا بچہ نہیں جنا جو پاکستان کی پ بھی بنا سکے" (رپورٹ تحقیقاتی عدالت ص۲۷۴)

احراریوں نے طنز کرتے ہوئے کہا" یہ قائد اعظم ہے یا کافر اعظم"؟

(حیات محمد علی از رئیس احمد جعفری)

چوہدری افضل حق رئیس احرار نے کہا" مسٹر جناح آج تک کلمۂ توحید پڑھ کر مسلمان نہیں ہوا لیکن پھر بھی مسلمانوں کا قائد اعظم ہے" (تحریک پاکستان اور نیشنلسٹ علماء ص۴۰۹)

چوہدری افضل حق احراری نے کہا" کتوں کو بھونکتا چھوڑ دو۔ کارواں احرار کو اپنی منزل کی طرف چلنے دو احرار کا وطن۔ لیگی سرمایہ دار کا پاکستان نہیں، احرار اس کو پلیدستان سمجھتے ہیں" (خطبات احرار ص۹۹)

عطاء اللہ شاہ بخاری نے کانگریسی ہندو لیڈروں کا حق نمک ادا کرتے ہوئے مزید کہا" ان لوگوں کو شرم نہیں آتی کہ وہ اب بھی پاکستان کا نام جپتے ہیں ...... سچ ہے پاکستان ایک خونخوار سانپ ہے جو ۱۹۴۷ء سے مسلمانوں کا خون چوس رہا ہے اور مسلم لیگ ہائی کمانڈ ایک سپیرا ہے" (تحریک پاکستان اور نیشنلسٹ علماء ص۴۸۴)

اسی ابن الوقت وہابی مولوی بخاری نے علی پور کی احرار کانفرنس میں تقریر کرتے ہوئے پاکستان کے خلاف اپنے دل کا بخار یوں نکالا" مسلم لیگ کے لیڈر بے عملوں کی ٹولی ہیں جنہیں اپنی عاقبت بھی یاد نہیں اور جو دوسروں کی عاقبت بھی خراب کر رہے ہیں اور وہ جس مملکت کی تخلیق کرنا چاہتے ہیں وہ پاکستان نہیں بلکہ خاکستان ہے"

(ہندو اخبار ملاپ لاہور مورخہ ۲۷ دسمبر ۱۹۴۵ء)

یہی مولوی عطاء اللہ شاہ بخاری کانگریسی ہندو آقاؤں سے مزید راتب حاصل کرنے کی دھن میں یہاں تک کہہ گزرتا ہے" ہندوستان میں نہ پاکستان بن سکتا ہے نہ حکومت الٰہیہ کا قیام عمل میں لایا جا سکتا ہے جو پاکستان کا نعرہ لگا کر مسلمانوں سے ووٹ کی بھیک مانگتا ہے انہیں گمراہ کرتا ہے" (ہندو اخبار پربھات ۱۱ دسمبر ۱۹۴۵ء)

Marfat.com

متحدہ قومیت کا پُرفریب نعرہ اور وہابی مولوی

ہندو کانگریس، گورنمنٹ برطانیہ کے ساتھ ساز باز کر کے ہندوستان کی واحد نمائندہ جماعت کی حیثیت سے حکمرانی واقتدار کے جملہ حقوق خود حاصل کرنا اور مسلمانوں کو اپنا غلام بنا لینا چاہتی تھی اس لیے کانگریس نے متحدہ قومیت کا پُرفریب نعرہ ایجاد کر رکھا تھا اس فریب کا پردہ چاک کرتے ہوئے قائداعظم محمد علی جناح نے یہ مجاہدانہ اعلان فرمایا کہ "مسلمان بحیثیت مسلمان ہونے کے ایک جداگانہ مستقل عظیم قوم ہیں اور مسلم قوم کی واحد نمائندہ جماعت مسلم لیگ ہے۔ ہندو کانگریس ہندوؤں کی نمائندہ ہے نہ کہ مسلمانوں کی بھی۔ لہٰذا مسلمان ہندوؤں کی غلامی ہرگز قبول نہیں کریں گے بلکہ دو قومی نظریہ کے تحت اپنے لئے ایک آزاد اور خود مختار پاکستان حاصل کر کے رہیں گے" قائداعظم کے اس اعلان کے نتیجے میں مسلم لیگ کا قدم کو دبا ہوا نعرہ، لے کے رہیں گے پاکستان، بن کے رہے گا پاکستان، اور پاکستان کا مطلب کیا؟ لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) مسلم قوم کے ہر بچے جوان اور بوڑھے کے دل کی دھڑکن بن گیا۔ ملک کا گوشہ گوشہ اس نعرے سے گونج رہا تھا۔ لیکن ابن الوقت کفر نواز وہابی مولوی۔ "ملت از وطن ست" کا کانگریسی راگ الاپ رہے تھے اور اپنے آقایان نعمت گاندھی، نہرو اور پٹیل وغیرہم ہندو لیڈروں کی ہمنوائی میں یہ ڈھنڈورہ پیٹ رہے تھے کہ ہندوستان کے تمام باشندے ہندو، مسلمان، سکھ، عیسائی، پارسی، یہودی اور چوہڑے چمار وغیرہ ایک قوم ہیں مسلمان ان سے الگ کوئی مستقل قوم نہیں ہیں۔

دیوبندی مولوی حسین احمد مدنی سابق شیخ الحدیث دارالعلوم دیوبند نے ایک رسالہ لکھا جس کا نام "متحدہ قومیت اور اسلام" رکھا۔ اس میں یہ ثابت کرنے کی کوشش کی گئی کہ فی زمانہ قومیں اوطان سے بنتی ہیں اور اپنے نامعقول غیر اسلامی نظریہ کو ثابت کرنے کے لئے آیات قرآن و روایات حدیث کے مطالب و مفہوم میں تحریف تک سے دریغ نہ کیا اس نے مسلمانان ہند کو یہ باور کرانے کی سرتوڑ کوشش کی کہ کانگریس بالکل نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے اسوۂ حسنہ پر چل رہی ہے۔ مسلمانوں کو بے خوف و خطر اپنے آپ کو اس متحدہ قومیت کے حوالے کر دینا چاہیے۔ جسے کانگریس بنانا چاہتی ہے (تحریک آزادئ ہند اور مسلمان صفحہ ۳۲۴)

اس ملت فروش دیوبندی وہابی مولوی کی اس ناپاک جسارت کو مفکر اسلام علام

ڈاکٹر محمد اقبال کیونکر برداشت کر سکتے تھے انہوں نے بلا دریغ حسین احمد مدنی کے منہ پر وہ چپت رسید کی جو رہتی دنیا تک یادگار رہے گی، فرمایا

عجم ہنوز نہ داند رموز دیں ورنہ
ز دیوبند حسین احمد ایں چہ بوالعجبی ست

سرود بر سر منبر کہ ملت از وطن ست
چہ بے خبر ز مقام محمد عربی ست

بمصطفیٰ برساں خویش را کہ دیں ہمہ اوست
اگر باو نرسیدی تمام بولہبی ست

یہی مولوی حسین احمد، تحریک پاکستان کا اس قدر سخت مخالف اور مسلم لیگ کا اتنا بڑا دشمن تھا کہ اس کی سرپرستی میں مدرسہ دیوبند، دشمنان پاکستان کا گڑھ بنا ہوا تھا۔ اس کی پاکستان دشمنی کا یہ عالم تھا کہ جب کانگریس نے مجبور ہو کر تقسیم ہند اور قرارداد پاکستان کو قہراً و جبراً منظور کر لیا تو وہابیوں کے اس پیشوا نے ہندو کانگریس کی وفاداری کے جوش میں قیام پاکستان کو تسلیم کرنے سے انکار کر دیا اور کہا "اگر میں تسخیر قلوب کا عالم و عامل ہوتا تو آج ہندوستان میں کوئی مسلمان لیگی نہ ہوتا۔ سب کے قلوب کو جمعیۃ العلمائے ہند اور کانگریس کی طرف پھیر دیتا"

(روزنامہ "الجمعیۃ" دہلی۔ شیخ الاسلام نمبر)

اس وہابی مولوی نے مدرسہ دیوبند کے اساتذہ اور طلباء کو تحریک پاکستان کے خلاف کانگریس کا ہراول دستہ بنا کر خوب استعمال کیا۔ یہ لوگ شہر بشہر اور قریہ بقریہ دورہ کرتے اور ہندوؤں کا حق نمک ادا کرتے ہوئے پاکستان اور مسلم لیگ کے خلاف زہر اگلتے پھرتے تھے ان کی ان مذموم حرکات کو دیکھ کر عام مسلمان ان سے بیزار ہو گئے اور نفرت کرنے لگے تو دیوبندی علماء و طلباء بت خانوں اور دھرم شالوں میں اڈہ جما کر اپنی کاروائیاں جاری رکھتے۔ مولانا عبدالماجد دریابادی بڑے افسوس اور رنج کے ساتھ بیان کرتے ہیں کہ "آج چار دن سے اس قصبہ (دریاباد) پر کانگریسی خیال کے مسلمانوں کا دھاوا ہے۔ دیوبند کے طلباء کا ایک دستہ آیا ہوا ہے .... قیام ان کا دھرم شالہ میں ہے۔ حالانکہ قصبہ میں ایک نہیں دو، دو سرائیں مسلمانوں کی موجود ہیں۔ ان کا رہنا سہنا چلنا پھرنا، کھانا پینا تمام تر ہندوؤں کے ساتھ ہے ان ہی کے درمیان اور انہی کا سا"

(تحریک پاکستان اور نیشنلسٹ علماء صفحہ ۶۵)

Marfat.com

مولوی حسین احمد دیوبندی، گاندھی کی اندھی عقیدت میں اس قدر متشدد تھا کہ اس نے ایک بار ایک مسلمان کا جنازہ پڑھنے سے صرف اس لئے انکار کر دیا تھا کہ اس کی میت کھدر کے کفن میں نہیں لپٹی ہوئی تھی " (ان کہی کہانی ص۲۰۳) اس دیوبندی وہابی نے خلاف اسلام اور پاکستان دشمنی میں اس قدر بڑھ چڑھ کر حصہ لیا کہ تقسیم ملک کے بعد ۱۹۵۴ء کو بھارت کے یوم آزادی کی تقریب میں اس کی خدمات کا اعتراف کرتے ہوئے حکومت بھارت نے اسے "پدما بھوشن" کا خطاب عطا کیا۔ یہ صاحب خود کو "مدنی" کہتے ہیں لیکن خدمات ہندوؤں کی بجا لاتے ہیں اس کی اسی قسم کی مذموم حرکات پر طنز کرتے ہوئے کسی نے کیا خوب کہا ہے

مولوی مدنی سے کوئی پوچھے۔ مدن سے تجھ کو نسبت ہے یا مدینے سے۔

نیز مولانا ظفر علی خان نے فرمایا

حسین احمد سے کہتے ہیں خزف ریزے مدینے کے کہ لٹو آپ بھی کیا ہو گئے سنگم کے موتی پر

(چمنستان ظفر علی خان)

وہابی مولویوں کی زر پرستی کا اس واقعہ سے اندازہ کر لینا کچھ مشکل نہیں کہ بجنور میں مسلم لیگ انتخاب ہار گئی اور اسی دوران کانگریس کی طرف سے مولوی حسین احمد مدنی کے نام سات سو روپیہ کا منی آرڈر ایک مسلم لیگ کے کلرک نے پکڑ لیا اور یہ واقعہ بہت مشہور ہو گیا۔ اس پر مولانا ظفر علی خان نے اسے مخاطب کر کے فرمایا

غداریٔ وطن کا صلہ سات سو فقط ایمان ہی بیچنا ہے تو سستا نہ بیچیئے

بھرنا ہی پیٹ ہے تو طریقے ہیں اور بھی دو روٹیوں پہ قوم کو بیچا نہ کیجئے

شائستگی سے دیجئے گر بن سکے جواب ورنہ ابھی سے مشق تبرا نہ کیجئے

(روزنامہ نوائے وقت سہ نومبر ۱۹۴۵ء)

وہابی مولوی اپنے مفادات کے تحت ہندو لیڈروں کے اشاروں پر رقصاں تھے یہ لوگ ملت اسلامیہ کی پشت میں نیشنلزم کا خنجر گھونپ کر مسلمانوں کو من حیث القوم، حکمران

حاشیہ: پنڈت مدن موہن مالویہ کی جانب اشارہ ہے۔ جو ہندوؤں کا ایک مشہور لیڈر تھا۔ (مولف)

Marfat.com

انگریز اور ہندو کانگریس کے سامنے ہتھیار ڈال دینے پر مجبور کر دینا چاہتے تھے اس مقصد کے پیش نظر انہوں نے اسلام کے نظریۂ قومیت کو بدل ڈالنے سے بھی دریغ نہ کیا اور قرآن و حدیث کی تعلیمات کو ہندو آقاؤں کی ہدایت پر قربان کر بیٹھے۔

یہ لوگ وفاداریٔ کانگریس کے معاملہ میں اس قدر شدید غلو میں مبتلا تھے کہ جب ان میں سے مولوی اشرف علی تھانوی اور مولوی شبیر احمد عثمانی جیسے اکابر دیوبند نے انفرادی طور پر مسلم لیگ اور تحریک پاکستان کی حمایت شروع کی تو دیوبندی وہابی ان کے بھی دشمن ہو گئے مولوی شبیر احمد صاحب عثمانی کا بیان ہے کہ

"دارالعلوم دیوبند کے طلباء نے جو گندی گالیاں، فحش اشتہارات اور کارٹون ہمارے متعلق چسپاں کئے جن میں ہم کو ابو جہل تک کہا گیا اور ہمارا جنازہ نکالا گیا دارالعلوم کے طلبا نے میرے قتل تک کے حلف اٹھائے اور وہ فحش اور گندے مضامین میرے دروازہ میں پھینکے کہ اگر ہماری ماں بہنوں کی نظر پڑ جاتے تو ہماری آنکھیں شرم سے جھک جاتیں"

(مکالمۃ الصدرین ص۲۱)

نیز دیوبندی وہابیوں نے مولوی اشرف علی صاحب تھانوی کو قتل کی دھمکی دیتے ہوئے مندرجہ ذیل خط لکھا۔

"مولوی اشرف علی تھانوی، یہ بات بہت تشویشناک اور ہمارے لئے شرم کی ہے کہ کانگریس کی تمام کوششوں کے باوجود مسلم لیگ کا فتنہ ملک میں پھیلتا جاتا ہے اور آپ نے باقی علمائے دیوبند کے خلاف چل کر مسلم لیگ کے موافق فتوے دے دیا ہے اب ہماری پارٹی مسلم لیگ کے مولویوں اور بد دین لیڈروں کو مزا چکھانے کے لئے تیار ہو کر میدان میں آگئی ہے اس لئے آپ کو بھی یہ تاکیدی نوٹس دیا جاتا ہے کہ ایک مہینہ کے اندر اندر مسلم لیگ کے متعلق اپنا فتویٰ واپس لے لو اور کانگریس کی حمایت کرو۔ ورنہ یقین اور پورا یقین رکھو کہ مظہر الدین (الامان) والے کی طرح تم کو بھی تمہاری خانقاہ میں چھرے سے ذبح کر دیا جائے گا۔ یہ تنبیہ اور ایمانا اطلاع بھیجی جاتی ہے۔ ایک مہینہ کی مدت غنیمت جاننا۔ ایک مہینہ تمہارے بیان کی انتظاری کر کے ہمارا آدمی روانہ ہو جائے گا جو پستول یا چھرے سے تم کو ختم کر دے گا

یہ چھٹی محض دھمکی نہیں ہے۔ کانگرس زندہ باد" (روزنامہ مشرق لاہور ۔ ۲۵ دسمبر ۱۹۶۶ء)

دیوبندی مولوی شبیر احمد عثمانی کے بیان اور مولوی اشرف علی تھانوی کے نام دیوبندیوں کے خط سے ان کی ذہنی پستی اور شرمناک کردار کا اندازہ لگانا کچھ مشکل نہیں کہ یہ لوگ کفر نوازی اور مسلم دشمنی میں کس حد تک پہنچ چکے تھے۔ دہابی مولویوں کے ایسے ہی گھناؤنے کردار کو دیکھ کر مولانا ظفر علی خاں مرحوم نے فرمایا تھا۔

اسلام کو نہ مفت میں بدنام کیجئے — حجرے میں جا کے بیٹھئے آرام کیجئے
چوکھٹ پہ جا کے گاندھی کے سر کو جھکائیے — دردھا میں یا پرستش اصنام کیجئے
قشقہ جبیں پہ کھینچ کر زنار ڈال کر — مندر میں دیوتاؤں کو جے رام کیجئے

(نوائے وقت ۴ نومبر ۱۹۲۵ء)

نیز وہابیہ کے حالات کا نقشہ کھینچتے ہوئے فرمایا

کھولتا ہے ان کی ہر اک رگ میں چندے کا لہو — یہ مجاہد ہیں بڑے دشنام کی پیکار میں
مسجدیں برباد ہوں یا قوم پر گولی چلے — مبتلا رہتے ہیں یہ بس پیٹ کے آزار میں
جنس ملت بیچتے ہیں بے دھڑک بازار میں — یعنی لاثانی ہیں یہ اسلام کے بیوپار میں

مولانا ظفر علی خان فرماتے ہیں ، میرٹھ میں (دہابی) مولوی حبیب الرحمٰن (لدھیانوی) صدر مجلس احرار اس قدر جوش میں آئے کہ دانت پیستے جاتے تھے اور غصہ میں آکر ہونٹ چباتے جاتے تھے اور فرماتے جاتے تھے کہ دس ہزار جینا اور شوکت اور ظفر[1] جواہر لال نہرو کی جوتی کی نوک پر قربان کئے جا سکتے ہیں۔ اس پر میں نے یاروں کی فرمائش یوں پوری کی

کیا کہوں آپ سے ہیں کیا احرار — کوئی لچا ہے اور کوئی لفنگا

(چمنستان ظفر علی خان)

مولانا ابوالنور محمد بشیر صاحب (کوٹلی لوہاراں ضلع سیالکوٹ) اپنا چشم دید واقعہ بیان کرتے ہیں کہ ، جب کانگریس کا زور تھا اور مسلمان مطالبۂ پاکستان میں سرگرم تھے

حاشیہ [1] قائد اعظم محمد علی جناح ، مولانا شوکت علی اور مولانا ظفر علی خان (مرتب)

دیوبندی مولوی کانگریس کے ساتھ اور مسلمانوں کے مخالف تھے۔ گاندھی دورہ سرحد سے فارغ ہو کر پشاور سے لاہور جا رہا تھا۔ اتفاقاً میں بھی اسی ٹرین میں سوار تھا اور راولپنڈی سے لاہور پہنچنے پر میں نے ریلوے پلیٹ فارم پر کانگریسیوں کا ایک بہت بڑا ہجوم دیکھا۔ ہر شخص ہار لئے گاندھی کی راہ دیکھ رہا تھا۔ گاڑی اسٹیشن پر پہنچی تو گاندھی کا ڈبہ ہجوم سے کچھ آگے نکل گیا۔ یہ دیکھ کر ہجوم دیوانہ وار آگے دوڑا۔ اس افراتفری کے عالم میں ایک کھدر پوش، طویل ریش، ادھیڑ عمر کا آدمی بھی نظر آیا جو پھولوں کا ہار لئے اس رش میں گاندھی کے درشنوں کے لئے بیقرار تھا اور اس جدوجہد میں تھا کہ وہ بھی کسی طرح گرتے پڑتے گاندھی کے چرنوں میں پہنچ سکے۔ میری نگاہ اس آدمی کی طرف تھی کہ ایک رفیق سفر نے بتایا۔ یہ مولانا احمد علی ہیں شیرانوالہ دروازے والے۔ یہ سن کر مجھے تقویۃ الایمانی توحید، شرک کے چرنوں میں گری ہوئی نظر آنے لگی" (رسالہ ماہ طیبہ۔ جولائی ۱۹۵۵ء)

"جماعت اسلامی" کے بانی مودودی صاحب اور ان کی جماعت کا قصہ سب سے زیادہ دلچسپ اور سب سے زیادہ طویل ہے۔ اس مختصر رسالہ میں اس کا مفصل بیان کرنا باعث طوالت ہوگا۔ فقیر کی تصنیف "مکمل تاریخ وہابیہ" میں مودودی صاحب اور ان کی جماعت کے احوال اور کردار پر مشتمل مضمون پوری تفصیل کے ساتھ درج ہے۔ شائقین اس کتاب میں ملاحظہ فرما سکتے ہیں اس رسالہ میں ان کی پاکستان دشمنی کے ثبوت میں فقیر صرف ہائی کورٹ کا فیصلہ درج کر دینے پر اکتفا کرتا ہے:-

واضح رہے کہ عدالت عالیہ نے یہ فیصلہ اپریل ۱۹۵۵ء میں سنایا تھا مگر جماعت اسلامی کو اب تک اس کے خلاف سپریم کورٹ میں اپیل دائر کرنے کی جرأت نہیں ہو سکی ہے عدالت عالیہ کا یہ بنچ چیف جسٹس مسٹر محمد منیر اور مسٹر جسٹس ایم۔ آر کیانی پر مشتمل تھا۔ فاضل ججوں نے اپنے فیصلہ میں لکھا۔

"جماعت مسلم لیگ کے تصور پاکستان کی علی الاعلان مخالف تھی اور جب سے پاکستان قائم ہوا ہے جس کو ناپاکستان کہہ کر یاد کیا جاتا ہے۔ یہ جماعت موجودہ نظام حکومت اور اس کے چلانے والوں کی مخالفت کر رہی ہے۔ ہمارے سامنے جماعت کی جو تحریریں پیش کی گئی ہیں ان میں سے ایک بھی نہیں جس میں مطالبۂ پاکستان کی حمایت کا بعید سا اشارہ بھی موجود ہو۔ اس کے

Marfat.com

برعکس یہ تحریریں جن میں کئی ممکن مفروضے بھی شامل ہیں تمام کی تمام اس تشکل کی مخالف ہیں جس میں پاکستان وجود میں آیا اور جس میں اب تک موجود ہے" (رپورٹ تحقیقاتی عدالت ص۱۹۰)

اگر کوئی شخص یا جماعت کسی عدالت کے فیصلہ سے مطمئن نہ ہو تو اس کے لئے صحیح راستہ یہ ہے کہ وہ اس عدالت کے فیصلہ کے خلاف اس عدالت سے بڑی عدالت میں اپیل دائر کرے اور اپنے دفاع میں معقول دلائل وشواہد پیش کر کے انصاف طلب کرے۔ پس اگر جماعت اسلامی یہ سمجھتی تھی کہ اس کے بارے میں ہائی کورٹ کا فیصلہ درست نہیں ہے تو اسے لازم تھا کہ فوری طور پر سپریم کورٹ میں اپیل دائر کر کے اپنے دفاع میں معقول دلائل وشواہد پیش کرتی اور حقائق سے ثابت کر دیتی کہ بانی جماعت مودودی صاحب یا اس جماعت کے اراکین نے تحریک پاکستان میں یہ حصہ لیا تھا اور حصول پاکستان کی خاطر یہ جد وجہد کی تھی۔ لیکن چونکہ مودودی صاحب اور اس کی جماعت کے اراکین بخوبی جانتے تھے کہ ان کے بارے میں ہائی کورٹ کا فیصلہ صحیح ہے۔ تحریک پاکستان میں انہوں نے واقعی کوئی حصہ نہیں لیا تھا۔ بلکہ انہوں نے پاکستان کی کھلی مخالفت کی تھی اس لئے بائیس سال کا طویل عرصہ گذر جانے کے باوجود انہیں سپریم کورٹ میں اپیل دائر کرنے کی جرأت نہیں ہو سکی ہے۔ اور چونکہ سپریم کورٹ میں اپیل دائر کرنے کی صورت میں انہیں مزید رسوائی کا خوف لاحق تھا اس لئے ان صاحبین نے اپنی صفائی کیلئے یہ سیدھا اور مسلمہ طریقہ اختیار کرنے کے بجائے وہابیہ کا روایتی مخصوص طریقہ اختیار کیا۔ یعنی اندھا دھند غلط بیانی اور پر فریب پروپیگنڈہ ۔!

چنانچہ ہائی کورٹ کے اس فیصلہ کے بعد کئی سال تک یہ "صالحین" "صم بکم" بنے رہے۔ تاکہ وقت گذرنے کے ساتھ ساتھ عوام کے دل ودماغ سے یہ بات نکل جائے اور وہ ہائی کورٹ کے فیصلے کو بھول جائیں۔ چند سال بعد انہوں نے اپنے اخبارات، رسائل اور اپنے خصوصی اجتماعات کے ذریعہ آہستہ آہستہ یہ تاثر دینے کی کوشش کر دی کہ "جماعت اسلامی" اور اس کے بانی مودودی صاحب ملک وملت کے حقیقی خیر خواہ ہیں پاکستان میں اسلامی نظام قائم کرنے کی جد وجہد کر رہے ہیں۔ لہذا پاکستان کی قیادت کے سب سے زیادہ مستحق بھی وہی ہیں۔ اور جب انہوں نے دیکھا کہ ملک میں ان کے اس پروپیگنڈے کی مخالفت میں کوئی نمایاں ردعمل ظاہر

Marfat.com

نہیں بہر حال ان کے حوصلے کو تقویت ملی۔ اور انہوں نے ایک قدم آگے بڑھا کر یہ کہنا شروع کیا کہ تحریک پاکستان میں جماعت اسلامی اور مودودی صاحب نے نمایاں خدمات سرانجام دی ہیں۔ قیام پاکستان میں ان کا بھی بڑا حصہ ہے کچھ عرصہ تک یہ پروپیگنڈہ کر چکنے کے بعد مزید ایک قدم بڑھایا کہ قیام پاکستان میں مسلم لیگ کے بعد جماعت اسلامی اور قائداعظم محمد علی جناح کے بعد مودودی صاحب کا ہی نمبر ہے۔

اس کے باوجود جب انہوں نے محسوس کیا کہ ملک میں ان کے دعووں کی تردید میں کوئی مؤثر آواز نہیں اٹھ رہی تو انہیں یقین ہو گیا کہ ان کی باتوں کا عوام پر اثر ہو رہا ہے ان کے پروپیگنڈے کا جادو چل چکا ہے اور ان کی یہ حکمت عملی کامیاب رہی ہے اب یہ "صالحین" جامے سے باہر ہو گئے اور بلا جھجک بڑ ہانک ماری کہ تحریک پاکستان اور قیام پاکستان کی جدوجہد میں مودودی صاحب کا نمبر پہلا ہے قائداعظم دوسرے نمبر پر ہیں اس لئے کہ مودودی صاحب اس سلسلہ میں قائداعظم کی رہنمائی کرتے تھے۔ اس لحاظ سے مودودی صاحب قائداعظمؒ کے بھی قائد اور ان کے استاد ہیں۔

جماعت اسلامی کے برخود غلط لیڈروں نے یہ بڑ اس امید پر ہانک ماری تھی کہ ان کی پہلی غلط بیانیوں کی طرح اس غلط بیانی کو بھی لوگ برداشت کر جائیں گے اور ان کی یہ بڑ آگے چل کر تاریخ پاکستان میں "سند" کا مقام حاصل کر لے گی لیکن ان کی اتنی بڑی دروغ بیانی کیونکر چل سکتی تھی۔ ملک کے دانشور اور سچے مسلم لیگی راہنما اپنے محبوب قائداعظم کی شان میں اس دریدہ دہنی کو کس طرح برداشت کر سکتے تھے۔ چنانچہ انہوں نے بجا طور پر اس کا سخت نوٹس لیا ان کے پرفریب دعوے کی پرزور تردید کر دی اور مودودی پارٹی کے نام نہاد صالحین سے مطالبہ کیا کہ وہ اپنی اس غلط بیانی پر ندامت کا اظہار کریں اور پوری قوم سے معافی مانگیں۔ بصورت دیگر ان کا بائیکاٹ کر دیا جائے گا۔

روزنامہ جنگ مورخہ ۲۱/۶/۷۶ء سے ایک اقتباس ملاحظہ ہو۔

لاہور۔ ۲۰ جون (نمائندہ جنگ) پاکستان مسلم لیگ کے زیر اہتمام دو روزہ قائداعظم کانفرنس آج رات یہاں ختم ہو گئی اس کانفرنس میں ملک بھر سے مسلم لیگ کے مندوبین نے شرکت کی مسلم لیگ

Marfat.com

کے صدر پیر صاحب پگارا نے کانفرنس کے آخری اجلاس سے خطاب فرمایا۔ آج کانفرنس کے دو اجلاس ہوئے۔ جن میں نائب صدر نواب مظفر حسین۔ رفیق احمد باجوہ ایڈووکیٹ۔ زیڈ۔ اے سلہری آزاد کشمیر مسلم کانفرنس کے قائم مقام صدر سردار سکندر حیات خان۔ نعیم رضا خان، ایم کے خاکوانی۔ اور میاں زاہد سرفراز نے بھی خطاب کیا۔ نواب مظفر حسین نے اپنی تقریر میں جماعت اسلامی کے میاں طفیل محمد کا نام لئے بغیر کہا کہ محاذ میں شامل ایک جماعت کے رہنما نے الزام تراشی کی ہے کہ ان کے نانا نے قائداعظم کو قیام پاکستان کے سلسلہ میں کوئی مشورہ دیا تھا یا انہیں راہ دکھانے کی کوشش کی تھی انہوں نے کہا کہ کوئی بھی مسلم لیگی اس اتہام کو برداشت نہیں کر سکتا انہوں نے کانفرنس کے شرکاء سے کہا کہ وہ ہاتھ اٹھا کر ان کے مطالبے کی حمایت کریں کہ اس قسم کی غلط بیانی پر معافی مانگی جائے۔ چنانچہ کانفرنس میں شریک مندوبین نے ہاتھ اٹھا کر ان کے مطالبے کی تائید کی، نواب مظفر حسین نے .... کہا کہ معافی کے بعد ہی ہمیں اس جماعت سے اشتراک عمل کرنا چاہیے۔ اس جماعت کے سربراہ نے کبھی بھی تحریک پاکستان میں حصہ نہیں لیا، مسلم لیگ کے نائب صدر میاں زاہد سرفراز نے خان قیوم، ممتاز دولتانہ اور سردار شوکت حیات پر سخت نکتہ چینی کی اور کہا کہ یہ انگریزوں کے کاسہ لیس تھے ۱۹۴۶ء میں جب واضح ہو گیا کہ مسلم لیگ کو اقتدار مل کر رہے گا تو یہ مسلم لیگ میں شامل ہو گئے۔ قائداعظم کو بھی معلوم تھا۔ اسی لئے انہوں نے کہا تھا کہ ان کی جیب میں کھوٹے سکے ہیں۔ آج حکومت اور جماعت اسلامی، مسلم لیگ اور اس کے قائد کو ان کھوٹے سکوں کا نام لے کر گالی دینے سے نہیں چوکتے۔ ہم تمام جماعتوں کا اتحاد چاہتے ہیں لیکن اس کا مطلب یہ نہیں کہ کوئی شخص یا جماعت اتحاد کا نام لے کر ہمارے قائد پر طنز کرے"۔ نیز روزنامہ جنگ مورخہ ۶، ۶، ۷۷ سے ایک اقتباس ملاحظہ ہو۔

لاہور ۲۲ جون (نمائندہ جنگ) متحدہ جمہوری محاذ کی مرکزی مجلس عمل کا ایک اجلاس آج یہاں جماعت اسلامی کے مرکزی سیکرٹریٹ میں منعقد ہوا۔ جو رات گئے تک جاری رہا۔ مجلس عمل کا پہلا اجلاس پیر صاحب پاگارہ کی صدارت میں گیارہ بجے شروع ہوا جو ڈیڑھ گھنٹے تک جاری رہا۔ شام کو مجلس عمل کا اجلاس دوبارہ شروع ہوا۔ یہ بھی پتہ چلا ہے کہ مسلم لیگ نے جماعت اسلامی کے سربراہ میاں طفیل محمد کے اس بیان کی [illegible] جو انہوں نے تحریک پاکستان اور بانی پاکستان کے بارے میں دیا تھا

Marfat.com

اور یہ تاثر دینے کی کوشش کی تھی کہ پاکستان بنانے والوں میں مولانا مودودی بھی شامل تھے۔ باخبر ذرائع کے مطابق مسلم لیگیوں کا اصرار تھا کہ جماعت اسلامی کو قائد اعظم کے بارے میں اپنے بیان پر اظہار افسوس کرنا چاہیئے"

قارئین اندازہ فرمائیں کہ سید احمد رائے بریلوی اور اسماعیل کے اثرات بھی کس قدر دور رس ہیں کہ اس قدر مدت دراز گذر جانے کے باوجود اس قدر موثر ثابت ہو رہے ہیں کہ ان کا کوئی بھی معتقد، متبع وہابی ان اثرات سے محروم نہیں رہتا۔ واضح رہے کہ مودودی صاحب اور ان کی جماعت کے ارکین بھی انہیں کے معتقد، متبع اور ہم مسلک وہابیہ ہیں۔ بلکہ مودودی صاحب تو ماشاء اللہ سید احمد اور اسماعیل دہلوی کے دیگر وہابیہ کے مقابلہ میں کچھ زیادہ ہی معتقد و مداح نظر آتے ہیں یہاں تک کہ یہ صاحب انہیں مجددیت کے مقام پر شمار فرماتے ہیں ان کے متعلق مودودی صاحب کی عقیدت کا اندازہ اس کے بیان سے بخوبی ہو سکتا ہے۔ مودودی صاحب کا بیان ہے کہ "سید احمد صاحب بریلوی اور شاہ صاحب شہید (یعنی مولوی اسماعیل دہلوی) دونوں روحاً و معناً ایک وجود رکھتے ہیں اور اس وجود متحد کو میں مستقل بالذات مجدد نہیں سمجھتا بلکہ شاہ ولی اللہ صاحب کی تجدید کا تتمہ سمجھتا ہوں" (موج کوثر ص۳۶)

Marfat.com

حرفِ آخر

الحمدللہ ثم الحمدللہ کہ مصنف "تذکرہ پیران پاگارہ" کے نقش بر آب دعاوی کا مکمل ابطال ہوگیا۔

اگرچہ متعدد امور جو بحث طلب تھے فقیر ان پر تبصرہ نہیں کر سکا ہے۔ یہ اس لئے کہ مخلص، درد مند اور حساس احباب کا اصرار ہے کہ تبصرہ کی اشاعت میں مزید تاخیر نہیں ہونی چاہیے کیونکہ "تذکرہ پیران پاگارہ" کو شائع ہوئے ایک سال سے کچھ زیادہ عرصہ گذر چکا ہے۔ اولیاء اللہ کے عقیدت مند بالعموم اور مریدان پیران پاگارہ بالخصوص جو اس کتاب کو بڑی تعداد میں خرید چکے ہیں وہابیہ کے اس پروپیگنڈے سے حتی الامکان محفوظ رہ سکیں جو مصنف تذکرہ نے واجب الاحترام پیران پاگارہ ادام اللہ فیوضہم و برکاتہم کی آڑ میں بڑی ہوشیاری کے ساتھ کیا ہے۔

فی الحقیقت، فقیر کو بھی اس امر کا بخوبی احساس ہے محترم احباب کی طرح راقم الحروف بھی یہی چاہتا ہے کہ تبصرہ، جلد از جلد سنی بھائیوں کے ہاتھوں میں پہنچ جانا چاہیے تاکہ وہ تاریخی حقائق و شواہد کی روشنی میں صحیح صورت حال سے واقف ہو کر غلط فہمی کا شکار ہونے سے بچ سکیں۔ خصوصاً اس بات کے پیش نظر کہ جناب بسمل چوہدری صاحب نے پیران پاگارہ کے نام سے ناجائز فائدہ اٹھانے کی کوشش کی ہے ان کے تذکرے کے پردے میں سید احمد اسماعیل دہلوی اور ان کے متبعین وہابیہ کو سرخرو بنانے کی خاطر بڑے خوب صورت انداز میں تاریخی حقائق کو توڑ مروڑ کر تاریخ کو مسخ کرنے کی جو سعی فرمائی اور غلط بیانی سے جو تاثر دینا چاہا ہے اس سے کم تعلیم یافتہ یا تاریخ کا گہرا مطالعہ نہ رکھنے والے قارئین کا قلب و دماغ متاثر ہو جانا کچھ بعید بھی نہیں ہے۔

جب صورت حال یہ ہو تو ایک واقف حال پر فرض عائد ہوتا ہے کہ وہ اپنے علم و یقین کی حد تک بلا خوف لومۃ لائم تصویر کے غلط رخ کے بالمقابل تصویر کا صحیح رخ پیش

Marfat.com

کرے، ابطال باطل کی خاطر اظہار حق میں ہرگز کوتاہی نہ کرے۔ تاکہ قارئین غلط تاثر سے محفوظ رہ سکیں۔

اگر بینم کہ نابینا و چاہ ست　　　　اگر خاموش بنشینم گناہ ست

فقیر نے اسی جذبہ کے تحت پوری دیانت داری کے ساتھ اپنے فرض سے سبکدوش ہو جانے کی سعی کی ہے۔

چونکہ مصنف تذکرہ کے اہم دعاوی پر تبصرہ مکمل ہو چکا ہے لہٰذا مناسب یہی سمجھا گیا کہ سردست اسے بلاتاخیر شائع کر دیا جائے اور جو امور بحث طلب رہ گئے ہیں انہیں دوسرے ایڈیشن تک ملتوی کر دیا جائے اگر اللہ تعالیٰ کو منظور ہوا تو بشرطِ زندگی دوسرے ایڈیشن میں ان باقی ماندہ امور پر بھی سیر حاصل تبصرہ کرنے کی پوری کوشش کی جائے گی۔

نیز رئیس الافاضل، استاذ العلماء قبلہ حضرت مولانا محمد صالح صاحب دامت برکاتہم کے ارشاد کی تعمیل میں فقیر کما حقہٗ پورا نہیں اتر سکا ہے کہ وقت کی قلت اور معلومات کی کمی کے باعث فقیر اس رسالہ میں واجب الاحترام والتعظیم، عظیم المرتبت پیران پاگارہ کی تاریخ و سوانح درج کرنے سے قاصر رہا ہے۔ فقیر ان بزرگان ملت، رہبران شریعت و طریقت، شموس و کواکب رشد و ہدایت مجاہدین فی سبیل اللہ رزقنا اللہ فیوضہم و برکاتہم کے حالات و سوانح معتبر و مستند ذرائع سے مجتمع کرنے کی انتھک محنت میں مصروف ہے۔

اگر محترم احباب کا تعاون حاصل رہا تو امید قوی ہے کہ انشاء اللہ العزیز ہر لحاظ سے مکمل و مستند تاریخ پیران پاگارہ" مستقل ترتیب میں بہ مستقل کتاب کی صورت میں شائع کر دی جائے گی۔

اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں دست بدعا ہوں کہ حق سبحانہٗ و تعالیٰ اپنے اولیاء کاملین قدسنا اللہ باسرارہم کے صدقے میں فقیر کو اس عظیم بالشان خدمت کے سرانجام دینے کی توفیق مرحمت فرمائے۔ آمین یا مسبب الاسباب و یا رب العالمین، بجاہ سید المرسلین، خاتم النبیین رحمۃ العالمین سیدنا و مولانا محمد رسول اللہ نور من نور اللہ صلے اللہ تعالیٰ علیہ و علےٰ آلہ و صحبہ و اولیائے امتہ و علمائے ملتہ و علینا معہم وسلم اجمعین۔

Marfat.com

فقیر اپنے عزیز محترم، فاضل محتشم، خطیب اعظم، جنّی فی اللہ، رفیقی باللہ، اخی فی اللہ
مفتی محمد عبدالرحیم صاحب سکندری خطیب جامع غوثیہ و مہتمم مدرسہ صبغۃ الہدیٰ شاہ پور چاکر
کے مخلصانہ تعاون کا صمیم قلب سے شکر گذار ہے کہ انہوں نے اس رسالہ "تبصرہ بر تذکرہ پیران پاگارہ"
کی تکمیل و طباعت و اشاعت میں نہایت خلوص کے ساتھ پوری طرح ساتھ دیا ہے۔

فجزاھم اللہ احسن الجزاء

والسلام علیٰ من اتبع الھدیٰ

الفقیر الی الرحمان ابوالحسان حکیم محمد رمضان علی قادری غفرلہٗ
سنجھورو ضلع سانگھڑ سندھ پاکستان

تاریخ تکمیل، ۷ ذیقعدہ ۱۳۹۶ھ مطابق مورخہ ۱ اکتوبر ۱۹۷۶ء

Marfat.com

Marfat.com

Marfat.com